ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

دولت پرستی کا مرض

”ہمارے ملک پر دولت پیدا کرنے کا ایک ایسا بھوت سوار ہوگیا ہے جس نے ملک کے حالات اور اقتصادی نظام کو درہم برہم کردیا ہے، ہر شخص اس فکر میں ہے کہ وہ راتوں رات دولت مند بن جائے، دولت حاصل کرنا برا نہیں، مگر جلد از جلد دولت مند بن جانے اور ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا شوق خطرناک اور تباہ کن ہے، یہ شوق ایک لاوے کی طرح بہہ پڑا ہے، اور ایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا ہے، اس مرض کا شکار شہر، قصبات اور دیہات سب ہیں، دولت پرستی کا یہ جنون دیکھ کر بعض مرتبہ کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس ملک میں ہر چیز دم توڑ چکی ہے، صرف دو چیزیں زندہ ہیں، ایک باہمی منافرت اور دوسرے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنے کی ہوس، جیتی جاگتی حقیقتیں یہی دو ہیں اور باقی سب کچھ فلسفہ اور شاعری ہے............

سوسائٹی میں اخلاقی خرابیاں ہر دور میں رہی ہیں، مگر دولت پرستی کا اس طرح اعصاب پر سوار ہوجانا کہ اپنے مفاد کے لیے ملک کے مفادات کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو یہ کس قدر تشویش ناک بات ہے!!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

MAY 16

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

₹10/-

نفس پرستی مستقل ایک مذہب ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

”نفس پرستی اب مستقل ایک مذہب بن چکا ہے، نہیں! بلکہ ہمیشہ سے اس کی یہ نوعیت رہی ہے اور اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ رہتی ہے، ہر چند کہ مذاہب کی فہرست میں اس نام کا کوئی مذہب نہیں بتلایا جاتا اور نہ اس نام سے کسی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد کا شمار کیا جاتا ہے، مگر یہ اپنی جگہ بالکل حقیقت ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اور اس کے ماننے والے سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں، آپ کے سامنے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے اعداد و شمار آتے ہیں کہ عیسائی مذہب کے پیرو اتنے، اسلام کے پیرو اتنے، اور ہندو دھرم کے ماننے والے اتنے، مگر ان میں سے ہر ایک میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو کہلاتی تو ہیں مذہباً عیسائی، ہندو اور مسلمان، لیکن درحقیقت اسی مذہب نفسی پرستی کے پیرو ہیں۔

نفس پرستی کی زندگی کا رواج اور اس مذہب کی مقبولیت صرف اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو اس میں مزا بہت آتا ہے، مانا کہ نفس پرستی کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے لطف کی زندگی ہے اور ہر آدمی کی طبعی خواہش لطف اندوزی ہوتی ہے، لیکن اگر دنیا کے تمام انسانوں کو سامنے رکھ کر سوچا جائے تو پھر اس قسم کی زندگی دنیا کے لیے ایک لعنت ہے، اور اس کی ساری مصیبتیں اور سارے دکھ اسی نفس پرستی کا نتیجہ ہیں اور دنیا کی ساری تباہیوں تمام قحطوں اور ناانصافیوں کی ذمہ داری انہیں لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اس منحوس مذہب کے پیرو ہیں۔

اس میں دنیا اس مذہب کی گنجائش صرف اس صورت میں نکل سکتی ہے کہ پوری دنیا میں صرف ایک انسان کا وجود ہو، اسی صورت میں وہ اپنے نفس کی مانگوں کو من مانے طور پر پورا کرنے کا حق دار ہو سکتا ہے، لیکن واقعہ یوں نہیں ہے، اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے اس میں کروڑوں، اربوں انسانوں کو بسایا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نفس، خواہشات نفس اور ضروریات نفس لگی ہوئی ہیں، ایسی صورت میں جو شخص بھی من مانی زندگی گذارنے کی کوشش کرتا ہے وہ گویا اس واقعہ سے آنکھ بند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے اور بھی ہم جنس رہتے ہیں، لیکن واقعہ سے آنکھیں بند کرنے سے واقعہ غلط نہیں ہو جاتا، وہ اپنی جگہ پر رہتا ہے، اس لیے کچھ لوگوں کی نفس پرستی کا نتیجہ لامحالہ دوسروں کی مشکلات اور مصائب کی شکل میں نکلے گا“۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۸ — مئی ۲۰۱۶ء — شمارہ: ۵

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)
نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت
بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخداندوی
محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت
محمد نفیس خاں ندوی

ظالموں کو انتباہ

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ☆ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ﴾

(اور ظالم جو کر رہے ہیں اس سے اللہ کو ہرگز غافل مت سمجھنا وہ تو ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں ان کی آنکھیں پتھرا جائیں گی ☆ اپنے سروں کو اٹھائے دوڑتے ہوں گے پلک بھی نہ جھپکا سکیں گے اور ان کے دل ہوا ہوا ہوں گے)

(ابراهیم: ۴۲-۴۳)

ماہانہ زرتعاون: Rs.10/-
www.abulhasanalinadwi.org
سالانہ زرتعاون: Rs.100/-

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبي الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔
E-Mail- markazulimam@gmail.com

فہرس

خطرات کے بادل!(اداریہ)..........۳
..........بلال عبدالحی حسنی ندوی
ظالموں کا انجام..........۴
..........حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
اعجازات قرآنی..........۵
..........مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ
کمال عبدیت..........۷
..........بلال عبدالحی حسنی ندوی
یہودیوں کے دوعمومی مرض..........۱۰
..........عبدالسبحان ناخداندوی
مکروہات تنزیہیہ..........۱۳
..........مفتی راشد حسین ندوی
مذہب اخلاق وانسانیت..........۱۵
..........مولانا فخر الحسن ندوی
سفر کے آداب..........۱۷
..........طلحہ نعمت ندوی
غیبت کا مرض..........۱۸
..........محمد ارمغان بدایونی ندوی
اسلاموفوبیا..........۱۹
..........محمد نفیس خاں ندوی

خدا کے نام کے بعد

آسی غازی پوریؒ (تبسمِ فکر)

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

شب وصال بیان غم فراق عبث
فضول ہے گلہ زخم التیام کے بعد

وہاں بھی وعدۂ دیدار اس طرح ٹالا
کہ لوگ خاص طلب ہوں گے بارعام کے بعد

گناہگار کی سن لو تو صاف صاف ہے یہ
کہ لطف رحم رکرم کیا پھر انتقام کے بعد

طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد

وہ خط وہ چہرہ وہ زلف سیاہ تو دیکھو
کہ شام صبح کے بعد آئی صبح شام کے بعد

تجھے کہے کوئی کیونکر غیرت عیسیٰ
رہا نہ ہوش کسی کا ترے کلام کے بعد

پیام بر کو روانہ کیا تو رشک آیا
نہ ہم کلام ہو اس سے مرے کلام کے بعد

تمام ہوں ابھی جھگڑے لن ترانی کے
دکھا دو جلوہ خدارا اگر کلام کے بعد

ابھی تو دیکھتے ہیں طرف بادہ خواروں کا
سبو وخم کی بھی ٹھہرے گی دور جام کے بعد

الٰہی آسیؔ بے تاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خط میں روز قیامت لکھا ہے نام کے بعد

مدیر کے قلم سے

خطرات کے بادل!

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ملک کو آزاد ہوئے ابھی ستر سال بھی پورے نہیں ہوئے کہ اس پر خطرات کے بادل منڈلانے لگے، اس کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا تھا جب انسانیت دشمن قوم سے یہاں کے قائدین نے دوستی کے ہاتھ بڑھانے شروع کیے تھے، یہودیوں کی سازشیں پوری انسانیت کے خلاف طشت ازبام ہیں، ان کے پروٹوکول میں سب کچھ موجود ہے، جو آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے، "سونے پہ سہاگا" یہ کہ اب امریکہ کی فوجیں ہمارے ملک کی کمان سنبھالیں گی، جس قوم نے تجارت کے بہانے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے آکر اس ملک پر قبضہ کیا، یہاں کے خزانوں کو لوٹا، یہاں کی قوموں کو آپس میں لڑایا اور حکومت کی، آج وہ فوجی نظام کو مضبوط کرنے کے بہانے آکر کیا کیا منصوبے رکھتے ہیں، اس کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو عروج وزوال کی کہانیوں سے واقف ہے، آگے کیا ہونے والا ہے اس کو تو آنے والا وقت ہی بتائے گا، مگر اتنا بڑا جمہوری ملک جس کے پاس ایک بڑی فوجی طاقت ہے اس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کا دست نگر بنے۔

امریکہ جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، معاشی اور اقتصادی طور پر اس کے حالات اندر ہی اندر دگرگوں ہیں، اپنے معاشی استحکام کے لیے اس نے دنیا کے مختلف ملکوں کو بازیچۂ اطفال بنا رہا ہے، کیپٹلزم (Capitalism) کا یہی دستور رہا ہے کہ ہر طاقت والا اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے یا اس کو بچانے کے لیے کمزوروں کا خون چوستا ہے، اس کو نہ کسی سے ہمدردی ہوتی ہے اور نہ اس کی آنکھوں میں انسانیت کا پانی ہوتا ہے، اس کا کام لاشوں پر سیاست کرنا ہوتا ہے، ظاہری طور پر اخلاق وانسانیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے، ہیومن رائٹس کا بار بار حوالہ دینے والے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل انسانوں کے نہیں بلکہ بھیڑیوں کے ہیں، کسی دوست نے بتایا کہ جب وہ لندن کے ایرپورٹ پر اترے تو وہاں ان کے کسی عزیز نے دکھایا کہ وہاں ایک بھیڑیے کی تصویر بنی ہوئی تھی، اس کی طرف انہوں نے اشارہ کر کے کہا کہ یہ یہاں کا کلچر ہے، اور یہ تصویر یہاں کے مزاج کی عکاسی کر رہی ہے، دوسروں کو دھکا دے کر آگے بڑھ جانا اور ان کو کنگال کر کے اپنا پیٹ بھرنا ان لوگوں کا طریقہ ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارا ملک جو اپنے اندر اخلاقی قدریں رکھتا تھا اور دنیا کو اس نے درد و محبت کا پیغام دیا، آج وہ بھی ایسے درندوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہے جو رحم کھانا نہیں جانتے، اور اوپر سے ہمدردی کا اظہار کرنے والے بھیڑیوں کے دل رکھتے ہیں اور موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس منافقانہ طرز عمل کا ذکر قرآن مجید میں یہودیوں کے تذکرہ میں کیا:

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (آل عمران: ۷۵) (اور اہل کتاب میں بعض وہ ہیں کہ آپ اگر ان کے پاس مال کا ڈھیر امانت رکھا دیں تو وہ آپ تک اس کو پہنچا دیں گے اور بعض وہ ہیں کہ اگر آپ ایک دینار بھی ان کے پاس امانت رکھا دیں تو وہ آپ تک اس کو پہنچانے والے نہیں سوائے اس کے کہ آپ ان کے سر پر ہی کھڑے رہیں، یہ اس لیے کہ انھوں نے کہہ رکھا ہے کہ ان پڑھ لوگوں کے بارے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی اور وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ بولتے ہیں)

بات بات پر Thank you اور I am sorry کہنے والوں کا حال یہ ہے کہ موقع ملے تو ملکوں کو ہضم کر جائیں اور شاید ڈکار بھی نہ لیں، چیتے سے ہرن کی دوستی کیا ہے؟ جب چیتے کو موقع ملے گا وہ ہرن کو ہضم کر جائے گا، ہمارے ملک کے قائدین کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں تاکہ یہ ملک دوبارہ غلامی کے شکنجے میں نہ چلا جائے اور یہاں کے مجاہدین آزادی نے جو قربانیاں دی تھیں کہیں وہ سب خطرہ میں نہ پڑ جائیں۔

ظالموں کا انجام

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ☆مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ☆وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ☆وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ☆وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ☆فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ (ابراهيم: ۴۲-۴۴)

(اور ظالم جو کررہے ہیں اس سے اللہ کو ہرگز غافل مت سمجھنا وہ تو ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں ان کی آنکھیں پتھرا جائیں گی☆اپنے سروں کو اٹھائے دوڑتے ہوں گے پلک بھی نہ جھپکا سکیں گے اور ان کے دل ہوا ہوا ہوں گے☆اور اس دن سے لوگوں کو ڈرائیے، جب عذاب ان پر آپہنچے گا تو ناانصافیاں کرنے والے کہیں گے اے ہمارے رب تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں اور مہلت دے دے ہم تیری بات مان لیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر یہ نہیں کہا تھا کہ تمہیں تو زوال آہی نہیں سکتا☆اور تم ان لوگوں کی بستیوں میں رہتے تھے جو اپنے ساتھ ظلم کرچکے تھے اور تمہارے سامنے کھل کر آچکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا اور ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بھی دی تھیں☆اور انھوں نے اپنی چالیں چلیں اور ان کی چالیں تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں اگرچہ ان کی بعض چالیں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں☆تو اللہ کے بارے میں ہرگز یہ نہ سوچنا کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہے یقیناً اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا ہے)

ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں مسلمانوں نے تیرہ سال کی زندگی انتہائی درد وکرب میں گذاری، مشرکین مکہ ان کو باندھ کر صحراء کی گرم دھوپ میں گھسیٹتے، پتھر سے دبا دیتے، گندگیاں ڈالتے، وہ تمام کوششیں کرتے جن سے انسان کو موت آجائے، مگر ان تمام تکالیف کو مسلمان برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب ظلم وستم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا تو بعض صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم کہاں تک یہ تکلیفیں برداشت کریں، وہ وقت کب آئے گا جب اللہ کی مدد نازل ہوگی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے ایمان والوں نے اس سے زیادہ سخت تکالیف برداشت کی ہیں، ابھی تم بھی برداشت کرو، اللہ کی مدد ضرور آئے گی، اور تمہیں کامیابی نصیب ہوگی، چنانچہ ایک وقت آیا کہ ہجرت کا حکم دیا گیا، اور تمام مسلمان مدینہ منورہ جانے لگے، جہاں ان کو قوت حاصل ہوئی، اور ان کی جانیں بھی محفوظ ہوگئیں۔

مندرجہ بالا آیات میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ظالمین کو نظر انداز کررہا ہے، ان کی سزا کو مؤخر کررہا ہے، جب سزا کا وقت آئے گا تو وہ دن بہت سخت دن ہوگا، اس دن ایک ایسا ہیجان واضطراب ہوگا کہ زمین پھٹ جائے گی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور گرد کی طرح اڑنے لگیں گے، غرض کہ ایسی تباہی ہوگی کہ کسی بھی شخص کو کچھ سمجھ نہیں آئے گا، اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، وہ سخت گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا ہوگا، اپنے سر کو جھکائے ہوئے، نگاہ جمائے اس طرح دیکھ رہا ہوگا کہ اس کی نگاہ نہیں جھپکے گی، جیسا کہ آدمی سخت خطرات کو دیکھتے وقت ان کی طرف دیکھتا ہی رہ جاتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن بھی ظالمین کا یہی منظر ہوگا کہ وہ کہیں ٹھہر نہیں رہے ہوں گے، ان کی آنکھیں پھٹی جارہی ہوں گی، ان کو کوئی سہارا دینے والا نہ ہوگا، ان کے دل اڑے جارہے ہوں گے، گویا جب ان کی یہ کیفیت ہوگی تو اس دن ان کو اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام حرکات وسکنات سے بخوبی واقف ہے، اس کے یہاں ایک ایک چیز درج ہے، جو انہوں نے نبیوں کو، ایمان والوں کو پریشان کیا، اور اپنی لہو ولعب کی زندگی میں مست رہے.......... (باقی صفحہ ۱۲ پر)

اعجازاتِ قرآنی

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

قرآن مجید کو خود قرآن مجید میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے، کبھی اس کو فرقان کہا گیا، کبھی ذکر کہا گیا ہے، اس کے علاوہ اس کے اندر شفاء بھی ہے، اور ہر مسئلہ کا حل بھی ہے، قرآن مجید اللہ کی ایک ایسی کتاب ہے جس کا مقابلہ کسی اور کتاب سے نہ پہلے کیا جاسکتا تھا نہ کیا جاسکتا ہے نہ آئندہ کیا جاسکے گا، وہ تمام کتابیں جو آسمانی تھیں، ان کے مقابلہ میں بھی قرآن کو ایک گنا فضیلت اس طور پر حاصل ہے کہ وہ جملہ کتابوں کا مہیمن ہے، کیونکہ جو کچھ ان میں تھا وہ سب قرآن مجید کے اندر آگیا ہے، اس لیے کہ جتنی کتابیں آسمانی ہیں وہ آسمانی اور خدائی کتابیں تو ہیں ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے، لیکن فی الحال حقیقت یہ ہے کہ وہ ساری آسمانی کتابیں تھیں جو کہ اب محفوظ نہیں ہیں، اور اپنی اصل حالت پر باقی نہیں ہیں، کیونکہ ان کے اندر تبدیلی وتحریفات کی جاچکی ہیں، ہر ایک میں گھٹا بڑھا دیا گیا ہے، اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کے حفاظت کی ذمہ داری انسانوں کو دی تھی اور قرآن کی حفاظت خود اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے، اس لیے نہ کوئی اس کو مٹا سکا ہے نہ مٹا سکے گا، نہ بڑھا سکا ہے نہ بڑھا سکے گا، نہ گھٹا سکا ہے نہ گھٹا سکے گا، قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لیے خاص طور سے اور بالعموم پوری انسانیت کے لیے آب حیات بنایا ہے، جو بھی اس پانی کو پئے گا وہ زندہ ہوجائے گا، اور جو اس سے روگردانی کرے گا اور اس کی ناقدری کرے گا، وہ ایسی پستی وشکست اور ذلت میں مبتلا ہوگا، جس سے وہ اٹھ نہیں سکے گا، اس لیے کہ حدیث میں ہے: "یرفع به أقواما ویضع به آخرین" یعنی قرآن مجید کے ذریعہ سے اللہ کچھ کو اٹھا دیتا ہے، اور کچھ کو گرا دیتا ہے، گویا اس کے اندر دونوں باتیں پوری طرح پائی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کی حقیقت کا سمجھنا ہمارے اور آپ کے بس میں نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کے ذریعہ سے ہم کو کتاب عطا فرمائی، اور آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے، اسی لیے قرآن مجید کے اندر نئے نئے پھول اور نئے نئے پھل ہمیشہ لگتے رہتے ہیں، ہر صدی میں، ہر موقع سے، ہر علم کے جاننے والے کے لیے اس کے اندر رہنمائی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہم کو قرآن پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی اور ہمارے لیے اس کو آسان بھی کردیا، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے تھے کہ قرآن مجید کے اندر کرنٹ بجلی کے کرنٹ کی طرح ہے، جو تار کے اندر دوڑتا رہتا ہے اور اوپر سے ہم لوگ اس تار کو چھو لیتے ہیں لیکن اندر انگلی نہیں ڈال سکتے کیونکہ اگر ننگے تار کو ہاتھ لگادیں گے تو ہم جل جائیں گے، ایسے ہی قرآن مجید کے اندر بھی کرنٹ ہے، اور کرنٹ معمولی نہیں ہے، بلکہ وہ کرنٹ ہے جس کا سمجھنا ہمارے اور آپ کے لیے آسان نہیں، کیونکہ جب دنیا میں اتنے بڑے بڑے کرنٹ موجود ہیں کہ اس سے بڑے بڑے کارخانے چل جاتے ہیں، اس کی ہارڈ لائنیں ہوتی ہیں کہ اگر ان کے قریب کوئی آجائے تو اسی سے چپک جائے اس لیے اس کو دور رکھا جاتا ہے تاکہ اس کے قریب کوئی آدمی نہ جائے، معلوم ہوا یہ دنیوی کرنٹ کا حال ہے تو خدائی کرنٹ کی طاقت وقوت کا عالم کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، لیکن چونکہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے کتاب دی ہے تو کچھ اندازہ بھی کرادیا ہے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کوئی کرنٹ حاصل کرنا چاہے یا توانائی لینا چاہے تو وہ ایسا کرسکتا ہے، لیکن اس کو اسی طریقہ سے لینا پڑے گا جیسے اس دنیوی کرنٹ کو لینے کے لیے سیکھنا پڑتا ہے یعنی اس کے الگ الگ تار ہوتے ہیں جن کو سیکھنا پڑتا ہے پھر اس کو سلیقہ سے جوڑا جاتا ہے تب لوگ اس کرنٹ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسے جب لاؤڈ اسپیکر میں کرنٹ کو جوڑا جاتا ہے تو اس کی آواز کئی گنا بڑھ جاتی ہے، لیکن یہاں یہ کرنٹ تار کے اندر ہے جس کو اوپر سے ہم چھو رہے ہیں، اس لیے اس کرنٹ کا ہم کو پتہ نہیں چلتا، کیونکہ میکانک نے اس کو اس طور پر جوڑا ہے کہ کرنٹ اندر آرہا ہے لیکن اگر کوئی اناڑی اس کے اندر کے کرنٹ کو چھوئے گا تو وہ دور گرے گا، ایسے ہی قرآن مجید کا معاملہ ہے کہ اس کے اندر کرنٹ تو ہے لیکن اس کو جوڑنے کے لیے مختلف جگہ لائن بچھانے کے لیے بہت بڑا ماہر انسان ہونا چاہیے، البتہ یہ

کام آسان اس طرح کر دیا گیا ہے کہ تلاوت اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے رکھ دی ہے کہ وہ کرو، اس میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی، لیکن یہ محدود پیمانہ ہے، اور اگر اب آپ بڑے کارخانے چلانا چاہتے ہیں تو اتنا ہی کرنٹ کا بھی اہتمام کرنا پڑے گا، یعنی قرآن مجید سے تعلق بھی اسی طرح مضبوط رکھنا ہوگا، اور جو شخص قرآن کے کرنٹ سے وابستہ ہو جاتا ہے تو اس کی آنکھیں و زبان خود قرآنی ہو جاتے ہیں، اسی لیے ایسے شخص کو الرجل القرآنی کہا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے جب پوچھا گیا کہ رسول ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ تو فرمایا: ان کے اخلاق کا آئینہ قرآن مجید ہے، گویا کہ آپ سراپا قرآن تھے، یعنی قرآن کو دیکھنا ہو تو آپ ﷺ کو دیکھ لو، اب اگر کوئی قرآن مجید کی تلاوت معانی سمجھ کر کر رہا ہے اور رسول ﷺ سے تعلق بھی اس کا قوی ہے تو اس کے اندر وہی ہائی پاور کرنٹ آنا شروع ہو جاتا ہے، لیکن اس کے اندر بھی اپنے اپنے ظرف کی بات ہے کہ وہ کتنا بڑا ہے، جیسے آج کل فریج چھوٹا بھی ہوتا ہے بڑا بھی ہوتا ہے، اور اے سی چھوٹا بھی ہوتا ہے بڑا بھی ہوتا ہے، یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے، اگر چھوٹا ہے تو کم کرنٹ ہوگا اور بڑا ہے تو بڑا کرنٹ ہوگا، غرض کہ فی نفسہ اس کے اندر طاقت بہت زیادہ ہے، جب سے یہ نازل ہوا ہے اور جب تک دنیا رہے گی اس میں طاقت ہمیشہ باقی رہے گی اور جتنے صلاحیت والے پیدا ہوں گے یہ سب کے لیے کافی ہوگا، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ شروع کے دور والے فائدہ اٹھائیں اور بعد والے فائدہ نہ اٹھا سکیں، بلکہ یہ ہمیشہ اسی طرح فائدہ پہنچاتا رہے گا، اس کی لائن اسی طرح دوڑ رہی ہے، کرنٹ ویسے ہی دوڑ رہا ہے لیکن ہم خود لینے والے نہیں ہیں، سیکھنے والے نہیں، اس لیے کرنٹ نہیں آتا، ورنہ اللہ جس طرح حی و قیوم ہے اس کی دی ہوئی تمام چیزیں بھی اسی طرح قائم و دائم ہیں، یہاں تک کہ قرآن کی برکت کا یہ عالم ہے کہ وہ جس زبان میں نازل ہوا وہ بھی آج تک باقی ہے، جب کہ اس سے پرانی اور اس کے بعد کی ساری زبانیں مٹ گئیں، لیکن عربی زبان قرآن کی وجہ سے آج تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی، یعنی قرآن نے عربی کو اتنا بلند کر دیا کہ اب وہ مٹنے والی زبان نہیں رہی، حالانکہ عربی زبان کو مٹانے کی ہزاروں کوششیں ہو چکی ہیں، یوں بھی کوئی زبان چودہ سو سالہ عمر نہیں رکھتی ہے، لیکن عربی کو یہ شرف حاصل ہے اور آج بھی جوان ہے، اور اس کے علاوہ جتنی زبانیں ہیں ان کی عمریں بہت کم ہیں اور بڑھاپے کو پہنچ چکی ہیں اور ان میں بہت سی زبانیں اپنے بڑھاپے کو پہنچ کر پناہ کی گھاٹ پر ہیں، ان کا کوئی جاننے والا نہیں ہے، سنسکرت کی زبان، عبرانی زبان یہ سب ختم ہو چکی ہیں، لیکن عربی زبان قرآن و حدیث کی وجہ سے ہمیشہ سے توانا ہے، اور آج بھی باقی ہے، معلوم ہوا قرآن مجید معمولی چیز نہیں ہے، لیکن چونکہ اس کو جیسا سمجھنا چاہیے تھا ہم نے ویسا نہیں سمجھا ہے، صرف اس حد تک سمجھا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، حالانکہ اگر اسی لفظ کو دل کی گہرائی سے کہہ دیا جائے تب بھی بات بن جائے، کیونکہ جس طرح ہم میں اور اللہ میں فرق ہے وہی ہماری لکھی ہوئی کتابوں اور اس کی کتاب میں فرق ہے، یعنی خالق و مخلوق میں جو فرق ہے وہی فرق کتابوں میں بھی ہوا، گویا اس کے مقابلہ میں ہماری کتابوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن اللہ کی کتاب کی حیثیت ہے۔

قرآن مجید ہر اعتبار سے انوکھا و البیلا اور نرالا ہے، اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے، کوئی بھی جس اعتبار سے چاہے دیکھ سکتا ہے، اور جہاں تک قرآن مجید پڑھنے کا تعلق ہے تو دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جو آسانی سے پڑھی جا سکتی ہو، بلکہ ساری دنیا کے لوگ مختلف زبانوں کے بولنے والے، انگریزی بولنے والے، بنگالی بولنے والے، جرمنی بولنے والے قرآن ایسا پڑھتے ہیں کہ معلوم ہوتا جیسے وہ مکہ و مدینہ میں پروان چڑھے ہیں اور عربی زبان کے ماہر ہیں، لیکن وہی حضرات اگر عربی زبان بولنا چاہیں تو ان کو کچھ نہیں آتا، معلوم ہوا یہ قرآن ہی کا اعجاز کہ اس کو ہر زبان کا ماہر پڑھ سکتا ہے، اسی لیے دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس کے پڑھنے والے اتنی آسانی سے پڑھتے ہوں، بلکہ بمشکل تمام خود اس کے بولنے والے پڑھ پاتے ہیں، چہ جائیکہ دوسری زبان کی کتاب اتنی آسانی سے کوئی پڑھ لے، یہ بھی اس کا ایک اعجاز ہے کہ قرآن اتنی تیز پڑھ لیا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں جو اتنی تیز پڑھی جا سکے، پھر اس کے بعد یہ بھی اس کا ایک اعجاز ہے کہ دنیا میں قرآن مجید کے حافظ ایک نہیں سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد تک پہنچ رہے ہیں، حالانکہ اس کے بالمقابل دنیا کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس کے یاد کرنے والے ہوں۔

کمالِ عبدیت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

انبیاء علیہم السلام کی جن صفات کا تذکرہ قرآن مجید میں ملتا ہے ان میں عبدیت بھی ہے، اکثر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عبد کی صفت کا ذکر موجود ہے، لیکن جس کمالِ عبدیت کا تذکرہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مذکور ہے، وہ اور کہیں نہیں ملتا، یوں تو متعدد آیات میں آپ ﷺ کا ذکر "عبد" کے لفظ سے کیا گیا ہے، اور اللہ نے اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف فرمائی ہے، ذیل میں وہ آیات درج کی جاتی ہیں:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرة: ۲۳)

(اور اگر تم اس چیز کے بارے میں ذرا بھی شبہ میں ہو جس کو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک سورہ ہی بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو)

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا﴾ (الکهف: ۱)

(اصل تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کوئی پیچیدگی نہیں رکھی)

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (الفرقان: ۱)

(وہ ذات بڑی برکت والی ہے جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ (کی کتاب) اتاری تا کہ وہ دنیا جہان کو خبردار کرنے والا ہو)

﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ (الجن: ۱۹)

(اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اس کو پکارتا ہے تو وہ اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگا لیتے ہیں)

لیکن ان تمام آیات میں ایک آیت وہ ہے جو آپ ﷺ کے کمالِ عبدیت کی طرف اشارہ کرتی ہے، تمام قرآن مجید میں جہاں جہاں آنحضور ﷺ کا ذکر ہے، ان میں مقام معراج سے بڑھ کر کون سی آیت ہوگی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کا تذکرہ اس شان کے ساتھ کیا ہو جس کا تتمہ سورہ نجم میں کیا گیا ہے۔

واقعہ معراج کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں، یہ آپ ﷺ کی عظمت و کمال کے ان مقامات میں سے ہے، جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں اور اس کا پس منظر بھی اگر سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کے لیے انتہائی اعزاز اور تسلی تھی۔

آپ ﷺ دعوت کے کام میں مشغول ہیں، ہر طرف سے یلغار ہو رہی ہے، حضرت خدیجہؓ آپ کی غمگسار ہیں، جناب ابوطالب پشت پناہی فرما رہے ہیں کہ یک بیک دونوں اس عالم فانی سے ایک ہی سال میں رخصت ہو جاتے ہیں، اب مشرکین مکہ کے سامنے ظاہر میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی، آپ ﷺ اس کو محسوس فرما رہے ہیں، دل صدمہ سے چور ہے، کوئی بات ماننے والا نہیں، سوائے چند غریب مسلمانوں کے، آپ اس خیال سے طائف تشریف لے جاتے ہیں کہ شاید وہاں بات بنے اور وہ لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں، لیکن وہاں جس طریقہ سے آپ ﷺ کو ستایا گیا وہ مہمان نواز عربوں کی تاریخ کا سیاہ باب ہے، کوئی نو وارد مہمان کو بٹھاتا، ایک تھکا ماندہ انسان دور سے آیا ہے، کوئی ہمدردی کے دو بول بولتا، بجائے اس کے رحمت عالم ﷺ پر پتھر برسائے جا رہے ہیں، گالیاں دی جا رہی ہیں، آپ ﷺ کے پاؤں لہولہان ہیں، کسی طرح آپ کے خادم آپ کو لے کر ایک باغ کے کنارے پہنچتے ہیں، آپ ﷺ کی زبان مبارک پر اس وقت یہ دعا جاری ہوتی ہے جو آپ ﷺ کے ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے اور فصاحت و بلاغت کی دنیا میں ایک درِ نایاب ہے، آپ فرماتے ہیں:

"اللهم اليك أشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي وهواني على الناس يا أرحم الراحمين أنت رب المستضعفين وأنت ربي الى من تكلني، الى بعيد يتجهمني أو الى عدو ملكته أمري، ان لم يكن علي غضب فلا أبالي ولكن عافيتك هي أوسع لي أعوذ بنور وجهك الذي أشرقت له

الظلمات وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة من أن ينزل بي غضبك أو يحل علي سخطك لك العتبى حتى ترضى ولا حول ولا قوة الا بك" (الدعاء للطبراني: ١٠٣٦)

(الٰہی! اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ ترشرو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے، لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں، کیونکہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں، جس سے سب تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام اس سے ٹھیک ہوجاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری رضامندی مجھ پر وارد ہو، مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے، اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے)

ان حالات میں آپ جب واپس مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے ہیں، تو ایک رات آسمانوں پر آپ کو بلایا جاتا ہے، جنت و دوزخ کی سیر کرائی جاتی ہے، انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر باری تعالیٰ کا وہ قرب و اختصاص حاصل ہوتا ہے کہ عالم تصور میں اس کو لانا مشکل ہے، اس وقت آپ ﷺ کا تذکرہ قرآن مجید میں جس لفظ کے ساتھ ہوتا ہے، وہ ''عبدہ'' ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہُ لِنُرِیَہُ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہُ ہُوَ السَّمِیْعُ البَصِیْرُ﴾ (الاسراء: ۱)

(پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے آس پاس ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھادیں بلاشبہ وہ خوب سنتا خوب جانتا ہے)

انتہائی کمال کے موقع پر عبد کا تذکرہ کمال عبدیت کی ایک کھلی علامت ہے، اور یہ آنحضور ﷺ کی مبارک زندگی کی وہ صفت ہے جو آپ ﷺ کی پوری زندگی میں جلوہ گر نظر آتی ہے، وہ مکہ مکرمہ کی کسمپرسی کا دور ہو یا مدینہ منورہ کی فتوحات کا، جب دنیا کے خزانے آپ کے قدموں میں تھے، لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے مگر زندگی کے ہر لمحہ میں آپ ﷺ کی یہ عبدیت ہر رخ سے نمایاں نظر آتی ہے۔

اللہ نے جو عظمت و محبوبیت آپ کو عطا فرمائی وہ جن و بشر ہوں یا ملائکہ، ہر مخلوق اس کے آگے گراں بار ہے، لیکن خود آپ ﷺ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہیں، قدم مبارک پر ورم آجاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''أفلا أكون عبدا شكورا'' (سنن ابن ماجة: ١٤٨٤) (کیا میں شکرگذار بندہ نہ بنوں)

ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آتا ہے اور اس پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے، تو فرماتے ہیں کہ تم ڈرتے کیوں ہو، میں تو ایک ایسی خاتون کا بیٹا ہوں جو سوکھے گوشت کے ٹکڑوں پر گذارا کرلیتی تھی۔

(ابن ماجہ: ۳۳۱۲)

ایک معمولی باندی بھی آپ ﷺ سے مشورہ کررہی ہے، اور آپ ہمہ تن اس کی بات سن رہے ہیں، اور کہیں سے ناگواری کا اظہار نہیں ہوتا، یہ انتہائی عبدیت ہی تو ہے کہ لوگوں کے پیچھے چلنا آپ ﷺ کو گوارہ نہیں، سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سخت ناپسند ہے، مجلس میں بھی کوئی امتیازی جگہ قبول نہیں، کوئی آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا ہے تو اس وقت تک آپ ﷺ اپنا دست مبارک نہیں کھینچتے جب تک وہ خود ہی اپنا ہاتھ نہ ہٹالے۔

ہجرت کے موقع پر جب آپ ﷺ حضرت صدیق اکبر کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مخدوم اور خادم میں فرق کرنا مشکل تھا، حضرت صدیق اس کو تاڑ گئے، اور کھڑے ہوکر چادر سے آپ ﷺ پر سایہ کرلیا تاکہ لوگ آپ ﷺ کو پہچان لیں۔

غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ کی رائے مدینہ منورہ ہی میں رہ کر مقابلہ کرنے کی تھی، مگر نوجوان صحابہ نے جب نکل کر مقابلہ کرنے کی رائے دی تو آپ ﷺ نے اپنی رائے پر اس کو ترجیح دی، اور نہ جانے کتنے ایسے مواقع ہیں۔

گھر میں خود آپ ﷺ اپنے کام کاج میں مشغول ہیں، حدیث میں آتا ہے ''كان يفلي ثوبه ويحلب شاته ويخدم

نفسہ"(شمائل الترمذی: ۲۹۳) (آپ ﷺ اپنے کپڑے خود صاف کرتے، بکری کا دودھ دوہتے، اپنا کام خود کرتے تھے)

گھر والوں کے ساتھ ہنسی دل لگی بھی ہے، لیکن کمال واعتدال کے ساتھ، اذان کی آواز سنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس وقت لگتا تھا کہ آپ ﷺ ہم کو پہچانتے ہی نہیں۔ (صحیح البخاری:۶۰۳۹)

حضرات حسنین آپ کی گود میں ہیں، آپ ان کو چوم رہے ہیں، لپٹارہے ہیں، اوران سے اظہار محبت فرمار ہے ہیں، حضرت اسامہ کو آپ ﷺ گود میں لیتے ہیں، چومتے ہیں، اور اظہار محبت فرماتے ہیں، فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ فاتحانہ مکہ مکرمہ داخل ہوتے ہیں تو اس شان عبدیت کے ساتھ سر مبارک جھکا ہوا ہے لگتا ہے کہ اونٹ کے کوہان سے لگ جائے گا اور اس وقت سواری پر آپ ﷺ نے اپنے پیچھے غلام زادوں کو سوار فرما رکھا ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر سواریاں کم ہیں، دو دو تین صحابی باری باری ایک سواری پر سوار ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے لیے بھی یہی ترتیب قائم فرمارکھی ہے۔

خندق کھودی جارہی ہے تو آپ ﷺ اس میں شریک ہیں، ایک صحابی بھوک کی شدت کا تذکرہ فرماتے ہیں اور پیٹ کھول کر دکھاتے ہیں کہ اس پر پتھر بندھا ہوا ہے تو آپ ﷺ تسلی دیتے ہیں، پھر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پیٹ پر دو دو پتھر باندھ رکھے ہیں۔

غزوۂ بدر اسلام کا پہلا معرکہ ہے، حق و باطل کی فوجیں آمنے سامنے ہیں، رات کا وقت ہوا لوگوں نے آرام کیا، مگر آپ ﷺ مصروف دعا ہیں، اور اس تضرع و عبدیت کے ساتھ کہ شانہ مبارک سے چادر گر گر جاتی ہے۔

یہ کمال عبدیت نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے دعا میں یہ الفاظ نکل رہے ہیں: "اللهم أحيني مسكينا وأمتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين"

(المستدرك للحاكم: ۷۹۱۱)

(اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، اور مسکین بنا کر وفات دے، اور مسکینوں ہی میں میرا حشر فرما)

اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ "ابغوني في الضعفاء" (مجھے کمزوروں میں تلاش کرو)(سنن أبي داؤد: ۲۵۹۶)

یہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے چند پھول ہیں جو مشام جان کو معطر کرنے کے لیے بہت ہیں، ورنہ آپ کی مبارک زندگی انسانیت کا ایسا دل نواز باغ ہے جس کے جھونکے قیامت تک اللہ کے بندوں کو کمال بندگی کی خوشبو دیتے رہیں گے اور لوگ اس سے اپنے بندگی کے چمن کو سنوارتے رہیں گے، کمال بندگی کے یہ وہ پھول ہیں جو کبھی مرجھانے والے نہیں، ان کی خوشبو ہمیشہ کے لیے ہے اور سب کے لیے ہے۔

سورۂ اسراء سے ''کمال عبدیت'' کا سبق انسانیت کو دیا گیا ہے، اور آپ ﷺ کی مبارک زندگی اس کا جمال بھی ہے کمال بھی، اور اعتدال کا ایسا راستہ بھی جو بھی اس راستہ پر چلے گا وہ راہ ہدایت کا راہی شمار ہوگا، اور نہ جانے کتنے بے راہ روؤں کی ہدایت کا ذریعہ بنے گا۔

محترم قارئین کی خدمت میں

مکرمی!

اس شمارہ کے ساتھ آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو چکا ہے۔ براہ کرم اپنا سالانہ زرِ تعاون جلد ارسال فرمادیں تاکہ یہ رسالہ پابندی سے آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے، بصورت دیگر اگلا شمارہ بھیجا نہیں جاسکے گا۔

اگر آپ کا زرِ تعاون جمع ہے تو براہ کرم اس ادارتی نوٹ کو نظر انداز فرمائیں۔(ادارہ)

تفصیلات حسب ذیل هیں:

پیام عرفات (اردو) فی شمارہ: ۱۰/ روپئے سالانہ: ۱۰۰/ روپئے

عرفات کرن (ہندی) فی شمارہ: ۱۰/ روپئے سالانہ: ۱۰۰/ روپئے

رابطہ:-

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi

Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) India

(Pin: 229001) Cell : 9792646858

E-Mail: markazulimam@gmail.com

Website: www.abulhasanalinadwi.org

یہودیوں کے دو عمومی مرض

عبدالسبحان ناخداندوی

قرآن کریم نے یہود کے دو روگ خاص طور سے بیان کیے ہیں، جو اللہ رب العزت کی طرف سے مزید لعنت کا سبب بنے، اور وہ اللہ کی مدد سے محروم کردیے گئے۔ ارشاد ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ☆ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾ (النساء:۵۱-۵۲) (کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا (پھر بھی) وہ "جبت" اور "طاغوت" میں یقین رکھتے ہیں، اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہیں، ان سب پر اللہ کی لعنت، جس کسی پر اللہ کی لعنت ہوجائے تم ہرگز اس کا کوئی مددگار نہیں دیکھوگے)۔

نبی اکرم ﷺ سے یہ ارشاد منقول ہے: "إن العيافة والطرق والطيرة من الجبت"، یعنی پرندوں کو اپنے گھونسلوں سے اڑانا (فال لینے کے لیے) زمین پر لکیریں کھینچ کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرنا اور بدفالی لینا سب "جبت" میں شامل ہے۔

حضرت عمرؓ سحر وساحری کو بھی "جبت" فرماتے تھے۔ امام لغت جوہریؒ کہتے ہیں "الجبت كلمة تقع على الصنم والكاهن والساحر"، یعنی "جبت" کا لفظ بت، کاہن اور جادوگر سب کے لیے بولا جاتا ہے۔ بہر حال اس لفظ میں بدعقیدگی اور توہم پرستی کی ساری شکلیں آجاتی ہیں، جنہیں جادو ٹوٹکا، الٹے سیدھے منتر اور تمام سفلی عملیات شامل ہیں۔ درحقیقت یہی وہ امراض تھے جن میں بری طرح گرفتار ہوکر یہود کتاب اللہ کو فراموش کر بیٹھے تھے۔ خود قرآن کریم کی گواہی ہے: ﴿واتبعوا ماتتلو الشياطين على ملك سليمان﴾ (سلیمانؑ کے عہد بادشاہت میں شیاطین جو پڑھا کرتے تھے اس علم کے پیچھے یہ لگ گئے) (یعنی سحر وساحری)۔

بعد میں یہ چیز ان کی روزمرہ کی زندگی میں بری طرح دخیل ہوگئی۔ اب انفرادی وخانگی زندگی کے مسائل بجائے کتاب اللہ کی روشنی میں حل کرنے کے کاہنوں اور ساحروں سے حل کیے جانے لگے، خود حضرت موسیٰ کے مبارک عہد میں آپ کی تربیت کو فراموش کرکے سامری کے سامنے ڈھیر ہوگئے جس کا جادو ان کے سر چڑھ کر بولا۔ نبی اکرم ﷺ کی مبارک ومقدس تعلیمات کو قبول کرنے کے بجائے جادو کے ذریعہ آپ کو متاثر کرنے کی ناپاک کوشش کی جس میں منہ کی کھائی، اس سے اتنا بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ عام زندگی میں یہود کے نزدیک "جبت" کا کیا مقام تھا!

رسول اکرم ﷺ کہانت اور ساحری جیسی بدعقیدگی کو کتاب اللہ کے حریف کے طور پر دیکھتے تھے جس کے ذریعہ انسان کفر تک جاپہنچتا ہے۔ کم از کم چالیس دنوں تک اس کی نحوست لیے پھرتا ہے۔ کبھی فرماتے: "من أتى كاهناً أو عرافاً فصدقه، فقد كفر بما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم" (کوئی کسی کاہن، عراف (بعض غیبی امور کا دعویدار) کے پاس آئے اور اس کی تصدیق بھی کرے، تو اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ چیز کا انکار کیا۔ کبھی یہ ارشاد فرماتے: "لايقبل الله له صلاة اربعين يوماً" (اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دنوں کی نمازیں قبول نہیں کرے گا) یعنی کوئی اس گندگی سے آلودہ ہوا نہیں کہ کتاب اللہ اور اللہ کی شریعت سے اس کا تعلق ٹوٹ گیا، اور چالیس چالیس دنوں تک کی نمازیں اس کے منہ پر ماردی گئیں۔

غور کیا جائے تو یہ مرض آہستہ آہستہ مسلمانوں میں بھی جڑ پکڑ رہا ہے، نجی مسائل کو حل کرنے کا یہ ایک تسلی بخش طریقہ قرار پا رہا ہے، یہیں سے عقیدے کی جڑیں سوکھنے لگتی ہیں جو بالآخر ایمان کے سدابہار درخت کو بھی خزاں رسیدہ کرکے رہتی ہیں۔ فی الوقت جابجا مکار عاملوں جاہل پیروں اور جعلی ماہرین روحانیات کی ایک بھیڑ دکھائی دیتی ہے جو سادہ لوح عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہے۔ اور بہت سارے مسلمان ان کے پیچھے دین ودنیا دونوں کو تباہ کررہے ہیں، اردو اخبارات ورسائل پر ایک نگاہ ڈالیے، اشتہارات کا ایک طومار ہے جنہیں روحانی عاملوں کی ایک پوری قطار ہر مشکل کا حل لیے کھڑی نظر آئے گی، کسی اور کی مشکل حل ہو یا نہ خود ان عاملوں کی مشکلات ضرور حل ہوتی ہیں، ہاں اخبارات کی

بھی کچھ مشکل حل ہوجاتی ہے۔

وہ اولیاءاللہ جنہوں نے برصغیر میں اسلام کا اجالا کیا، دین کی شمع فروزاں کی، خود ان ہی کے مزارات کو شرک وخرافات کا مرکز بنا کران کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھایا جارہا ہے۔ان مزارات کو بھی ''جبت'' بنادیا گیا، جہاں دین ودنیا کی دولت بری طرح لوٹی جاتی ہے، ہزاروں لاکھوں مسلمان دولتِ دین کی متاعِ بیش بہا ان مزارات کی چوکھٹ پر پھینک کر بالکل خالی ہاتھ کنگال واپس آتے ہیں۔اس کا لازمی نتیجہ توحید اور اہل توحید سے بیزاری، مشرکانہ عقائد سے لگاؤ اور مشرکین سے قربت کی صورت میں ظاہر ہوکر رہتا ہے۔مسلمانوں کے عروج وترقی کے سامنے موجود یہ پہلی رکاوٹ ہے جسے دور کیے بغیر ہم سے کسی میدان میں کوئی ترقی ممکن ہی نہیں۔

یہود میں پایا جانے والا دوسرا بہت بڑا مرض طاغوت کے سامنے سر جھکانے کا تھا۔ہر قسم کی سرکش طاقتوں کو طاغوت کہا جاتا ہے۔جو اللہ کے دین کے مقابلہ میں سر اٹھائے رہتی ہیں۔ یہود کسی زمانے میں خدا پرست قوم تھے۔لیکن غلامی کی زندگی نے ان کے اندرونی حوصلوں کو فنا کردیا تھا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے جھکتے چلے گئے، مادیت کے غلام بن گئے۔جہاں چار پیسے کا فائدہ نظر آیا وہاں کتاب الٰہی کی آیات بھی قربان کرنے پر تیار، اور ہر طرح کی پستی کو گلے لگانے کے لیے بے قرار۔جس طرح ان کی انفرادی زندگی کا محور ﴿جبت﴾ تھا بالکل اسی طرح ان کی اجتماعی زندگی کا مرکز ﴿طاغوت﴾ تھا۔جہاں کوئی طاقتور اٹھ کھڑا ہوتا یہ اس کے قدموں کی خاک بننے کو بے قرار رہتے۔حق گوئی کو جانے دیجیے، حق سوچنا بھی ان کو تکلیف دیتا۔عزت اور غیرت نفاق اور چاپلوسی کے اندھیاروں میں اپنا وجود تک کھو چکے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں یہود کا ایک وفد مکہ جاتا ہے اور وہاں کے روساء کی چوکھٹ پر اپنا سر رکھ دیتا ہے۔ مشرکین کے ہدایت یافتہ اور مسلمانوں کے گمراہ ہونے کا ''فتویٰ'' صادر کرکے واپس آتا ہے۔صرف اس وجہ سے کہ مشرکین اس وقت مسلمانوں کے مقابلہ میں طاقتور سمجھے جاتے تھے۔ طاغوت اور طاغوتی طاقتوں کو خدا اقرار دینا یہودیوں کا اجتماعی مرض تھا۔اللہ کے دین کی اس بے توقیری پر اللہ نے ان کو منصب قیادت سے ہمیشہ کے لیے الگ کردیا۔

بہت افسوس اور دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ خود اس امت کے افراد میں یہ مرض (یعنی طاقت کے سامنے سر جھکانے کا مرض) آہستہ آہستہ جڑ پکڑنے لگا ہے۔کچھ حالات ایسے بنا دیے گئے ہیں اور کچھ ہم خود ایسے بن گئے ہیں کہ دل کی بات زبان پر لانے کی طاقت جواب دے گئی ہے۔اس سے بھی بڑھ کر آخری درجہ کی افسوس ناک بات یہ ہے کہ خود ہمارا ایک طبقہ حق سوچنے سے بھی گریز کرنے لگا ہے۔خودغرضی اور بزدلی نے ہمیں بھی طاغوت کے سامنے خوشی خوشی سر جھکانے پر آمادہ کرلیا ہے۔اپنی پارٹی، اپنی سرکار، حکومتِ وقت اور عالمی طاقت یہ موجودہ دور کے طاغوت ہیں جن کی زنجیروں میں ہمارا ایک طبقہ جکڑے رہنے پر بہت خوش رہتا ہے۔اس کا بالکل احساس نہیں کہ اس کے ہاتھ سے کتنی بڑی دولت ختم ہورہی ہے۔وہ دولت جسے ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کہا جاتا ہے۔

انفرادی سطح سے معاشرتی سطح تک، پھر معاشرتی سطح سے لے کر سیاسی اور بین الاقوامی سطح تک ہم مسلمان بھی کسی نہ کسی طاغوت کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔کچھ طاغوت صاف نظر آتے ہیں اور کچھ پردے کے پیچھے ہیں۔خدا لگتی کہیں تو پورے اسلام کو مکمل نظامِ زندگی کے طور پر ہم میں سے بہت کم لوگوں کا ذہن قبول کرتا ہے۔کہیں مصلحتوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں کہیں تقاضائے وقت کی زنجیر پاؤں سے لپٹی ہے۔ایک بہت بڑا طبقہ حرص وہوس کی دلدل میں گلے گلے ڈوبا ہوا ہے، اور اس پر بہت خوش بھی ہے۔ ہمارا یہ ذہنی طاغوت تمام طواغیت سے زیادہ سرکش ہے۔اس کا سر کچلنے والے بہت کمیاب ہیں۔

ایمانِ کامل کی ایک بنیادی شرط ﴿کفر بالطاغوت﴾ ہے۔ یعنی ہر قسم کے سرکش (جن میں منہ زور خواہشات اور سرکش جذبات سب شامل ہیں) کا سر کچل کر اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دینا۔یہیں سے ایمانی زندگی کی بہار آتی ہے اور اسلامی زندگی کا سورج طلوع ہوتا ہے۔﴿فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ﴾، جو طاغوت کو ٹھکرادے اور اللہ پر پورا یقین رکھے وہی درحقیقت سب سے مضبوط حلقہ کو تھام لیتا ہے

جسے کبھی ٹوٹنا نہیں۔

اجتماعی زندگی میں طاغوت کے آگے سر تسلیم خم کر لینا اپنے آپ کو لاچار بنانا ہے۔ کتاب و سنت کی عظیم نعمتوں کے حصول کے بعد اگر کوئی اسی لاچاری کو چارہ گر سمجھتا ہے تو اس سے بڑھ کر اللہ کی رحمت سے کوئی دور نہیں۔ حالات کا رونا رو کر خود ہمارا ایک طبقہ اسلامی زندگی کو خیر باد کہہ چکا ہے۔ ایک دوسرا طبقہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر احساس کمتری کا شکار ہے۔ خواہشات نفسانی کے زیر اثر مفادات کے پیچھے بھاگنے والوں کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ ان کا طاغوت ''مفاد'' ہے۔ نئی تہذیب اور نئی روشنی کے نام پر ہمارا نوجوان طبقہ (لڑکے لڑکیاں دونوں) اس حد تک آگے جا چکا ہے کہ اپنا وجود بھی فراموش کر گیا ہے۔

بہرحال سیکولرزم ہو یا کوئی اور ازم اقوام عالم کے ساتھ گزارا کرنے کی مشکلیں ہیں جن کو بدرجۂ مجبوری گوارا کیا جاسکتا ہے، یہ کوئی خدائی تحفہ نہیں ہے کہ اس پر مرمٹا جائے، زندگی اور ترقی کی اصل بنیاد اللہ رب العزت کے جاری کردہ وہ رہنما خطوط ہیں جن پر چلنا ہر صاحب ایمان کے لیے لازم ہے۔ اللہ نے جو ''شاہراہِ اسلام'' عطا فرمائی ہے اس پر زندگی کا سفر عقائد، عمل، اخلاق، معاشرت اور دوسرے تمام شعبہ ہائے زندگی سمیت جاری رکھنا ترقی وعروج کی شاہ کلید ہے۔ اس شاہراہِ حیات کے ہوتے ہوئے کسی اور اوبڑ کھابڑ پگڈنڈی کی طرف نگاہِ شوق اٹھ رہی ہو تو سمجھ لیا جائے کہ نگاہیں طاغوت کے سامنے جھکنے کے لیے بے قرار ہیں جسے ٹھکرانا ایمان کا اولین تقاضا ہے۔

ہماری اجتماعی دینی ذمہ داری ہے کہ اپنے مسائل وقضایا کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور ان ہی سے ماخوذ ''فقہ اسلامی'' کی روشنی میں حل کریں۔ ان مواقع کے میسر آنے کے باوجود کسی دوسرے ''طریقۂ حل'' کو اگر کوئی سوچتا ہے اور اس کے لیے تگ ودو کرتا ہے وہ انجانے میں یا جان بوجھ کر طاغوتی نظام کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ یہ دراصل اسلام کی بلندیوں کو چھوڑ کر جاہلیت کی پستی میں جا گرنا ہے۔ معاملات، معاشرت، اور باہمی نزاع کو شریعت کی روشنی میں حل کرنے کی سطح پر دیکھا جائے تو صحیح جذبۂ اسلامی رکھنے والے بہت کم ہیں، اس ناحیہ سے قوم کا مزاج بدلنے کی بہت ضرورت ہے۔

بقیہ: ظالموں کا انجام

...........اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے نبی کے ذریعہ اس طرح کی زندگی میں مست لوگوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ اس خطرناک دن سے ڈریں، ابھی اس پکڑ کے دن سے اپنے آپ کو بچالیں، ورنہ اس دن اللہ تعالیٰ کا رحم صرف ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اللہ کے فرمانبردار ہیں، اس کا کہنا ماننے والے ہیں، اس کی رحمت کے امیدوار ہیں، اسی لیے صراحت کے ساتھ یہ بات فرمادی گئی کہ اس عذاب کے دن سے ڈرنے کا مقام ہے، جس دن ظالمین پکار پکار کر یہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے دیجئے، ہم اچھا عمل کر کے آئیں گے، اب ہم توبہ کرتے ہیں، یہ وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے رسولوں کی بات مانیں گے، ان کی اتباع کریں گے، تلافی مافات کی مکمل کوشش کریں گے، ظالمین اور بدکرداروں کے اس پچھتاوے کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو وہ قسمیں یاد دلائے گا جو وہ دنیا میں کھایا کرتے تھے، اور بہت استغنائیت کے ساتھ کہتے تھے کہ ہم اپنے اس عز وشرف کے مقام سے کبھی نہیں ہٹیں گے، ہماری ان نعمتوں کو کبھی زوال نہیں، لہٰذا ہم اپنا یہ آبائی دین بھی ہرگز ترک نہیں کریں گے، منکرین کے اس قول کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی حاکمیت وقدرت کاملہ کا اعلان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہر چیز اللہ کے اختیار میں ہے، اگر وہ چاہتا تو ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنادیتا، لیکن چونکہ دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو آزمانا مقصود تھا، اس لیے ان کو ڈھیل دی، اور ان کو سمجھانے کی کوشش کی، حالانکہ بسا اوقات ان کی سازشیں اتنی سنگین ہوتی تھیں کہ پہاڑ بھی ان کی بنیاد پر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔

اخیر میں فرمایا کہ دنیا میں ظالمین کا دندناتے پھرنا، سازشیں رچنا، اس بات کی علامت نہیں کہ ان کو سب کچھ حاصل ہوگیا، بلکہ ان کو ان کے کاموں کی سزا ملے گی، اللہ کی بات ماننے والے مومنین کو ان کا بدلہ دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے، البتہ دنیا میں کافرین کو ڈھیل دینا، ان کی نافرمانیوں پر مہلت دینا حکمت کی بات ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حکمت سے بخوبی واقف ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اسی کے اختیار اور قابو میں ہے، وہی انتقام لینے والا بھی ہے۔

مکروہات تنزیہیہ

مفتی راشد حسین ندوی

گزشتہ شمارہ میں مکروہات تحریمیہ کا ذکر کیا گیا تھا، ذیل میں مکروہات تنزیہیہ کو بیان کیا جارہا ہے، مکروہ تنزیہی اس کو کہتے ہیں جس کو ترک کرنے سے کسی مستحب یا افضل کو چھوڑنا لازم آرہا ہو، اور چونکہ اہمیت کے اعتبار سے مستحبات میں فرق مراتب ہوتا ہے اور بعض مستحبات کی تاکید زیادہ ہوتی ہے، اسی اعتبار سے بعض مکروہات تنزیہیہ مکروہ تحریمی کے قریب پہنچ جاتی ہیں، یہ فرق دلائل کو دیکھ کر اصحاب نظر ہی کرسکتے ہیں۔ (شامی:۱/۴۷۲)

(۱) نماز کی حالت میں ایسے کپڑے پہننا چاہیے جو اللہ کے دربار میں حاضری کے لیے مناسب ہوں، چنانچہ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جن کو پہن کر بڑے لوگوں کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا جاتا مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی:۱/۴۷۴، ہندیہ:۱/۱۰۷)

(۲) آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف نے ہمیشہ سر ڈھاک کر نماز ادا کی ہے، لہٰذا نماز پڑھتے ہوئے ٹوپی یا عمامہ سے سر ڈھانک لینا چاہیے، لیکن اگر محض سستی کی وجہ سے ٹوپی لگائے بغیر نماز پڑھی تو مکروہ تنزیہی ہے، آج کل بہت سے لوگ ٹوپی کو بالکل غیر ضروری قرار دیتے ہیں اور ہوتے ہوئے بھی بعض ضد میں نماز کے وقت ٹوپی اتار دیتے ہیں ان کو اوپر کی دلیل پر غور کرنا چاہیے اور جو لوگ ٹوپی کو فرض کا درجہ دیئے ہوئے ہیں کہ بعض اوقات سر ڈھانپنے کو کوئی چیز میسر نہ ہو تو رکعت تک کسی چیز کی تلاش میں چھوڑ بیٹھتے ہیں ان کو بھی مسئلہ کو سمجھ لینا چاہیے۔

(شامی:۱/۴۷۴)

(۳) پیچھے نماز کی مفسدات میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ نماز پڑھنے کے دوران زبان سے سلام کرنا یا جواب دینا نماز کو فاسد کردیتا ہے، لیکن اگر زبان کے بجائے ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دیا جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر کسی نے سلام کر ہی لیا تو سلام پھیرنے کے بعد جواب دے دینا مناسب ہے۔ (شامی:۱/۴۷۶)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حبشہ جانے سے پہلے ہم آنحضرت ﷺ کو سلام کرتے تھے، جب کہ آپ نماز میں ہوتے تھے، پھر جب ہم حبشہ سے لوٹے تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ جب آپ نے نماز پوری کرلی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے جس حکم کو چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے، اور جن امور کو اللہ نے ظاہر فرمایا ان میں سے یہ بھی ہے کہ نماز میں بات نہ کیا کرو، تو آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ نماز قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کے لیے ہے، لہٰذا جب تم نماز میں ہو تو تمہارا یہی کام ہونا چاہیے۔ (أبوداؤد)

(۴) نماز کے لیے قیام میں دونوں پیروں پر برابر وزن رکھنا چاہیے، کسی ایک پیر پر بلا عذر زیادہ زور دے کر کھڑا ہونا بھی مکروہات میں سے ہے۔ (شامی:۱/۳۲۸)

(۵) نماز کے درمیانی اور اخیر قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ ذکر کیا جاچکا ہے، اگر اس مسنون طریقہ کو بلا عذر چھوڑ دیا جائے اور چار زانو (پالتی مارکر) بیٹھا جائے یا دونوں پیر کھڑے کرکے ایڑیوں پر بیٹھا جائے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(شامی:۱/۴۷۶)

(۶) نماز پڑھنے کے دوران آنکھوں کو بند کرلینا بھی مکروہ تنزیہی ہے، اس لیے کہ ایک ضعیف حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، (ابن عدی) بلکہ ہر موقع پر نگاہ وہاں رکھنا چاہیے جہاں نگاہ رکھنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے، مثلاً: قیام کی حالت میں موضع سجود پر نگاہ رکھے، رکوع میں پیروں پر، سجود میں ناک پر، قعدہ میں ران پر۔

(شامی:۱/۴۷۷-۳۵۳)

(۷) نماز پڑھنے کے دوران آیات یا تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر ضرورت پڑ جائے جیسا کہ صلاۃ التسبیح میں ضرورت پڑ سکتی ہے تو یہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار تسبیح

پڑھتے ہوئے ایک انگلی کو اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے دبا دیا جائے، اس طرح کرنے سے ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور کراہت بھی نہیں رہے گی۔ (شامی: ۱/۴۸۱)

(۸) منھ میں سکہ یا کوئی ایسی چیز رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے جس سے سنت کے مطابق قراءت نہ ہو سکے، اور اگر کوئی ایسی چیز رکھ لی جس سے قراءت ہو ہی نہیں سکتی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (شامی: ۱/۴۷۴)

(۹) اوپر گذر چکا ہے کہ قبلہ سے سینہ پھیر لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور سینہ پھیرے بغیر چہرہ ادھر ادھر کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن چہرہ ادھر ادھر کئے بغیر اگر گوشۂ چشم سے ادھر ادھر نگاہ ڈال لی تو یہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (شامی: ۱/۴۷۴) اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے شیطان بندہ کی نماز کو اچک لیتا ہے۔ (بخاری و مسلم) جب کہ ترمذی اور نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ (چہرہ پھیرے بغیر گوشہ چشم سے) دائیں بائیں دیکھا کرتے تھے۔

(۱۰) نماز پڑھنے کے دوران انگڑائی لینا مکروہ ہے، اس سے بچنا چاہیے، اس لیے کہ یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے۔

(ہندیہ: ۱/۱۰۷)

(۱۱) نماز پڑھنے کے دوران اگر جوں یا مچھر مارتے ہوئے عمل کثیر ہو جائے تب تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی، لیکن اگر عمل قلیل سے مارا تو اگر اس نے اذیت دینی شروع کر دی تھی تو ایسا کرنا مکروہ نہیں ہوگا، لیکن اگر اذیت دینے سے پہلے ہی عمل قلیل سے مارا تو مکروہ ہوگا۔ (شامی: ۱/۴۸۳)

(۱۲) امام اگر محراب کے اندر پورا کا پورا اس طرح کھڑا ہو جائے کہ اس کے پیر بھی محراب کے اندر ہوں تو مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر مجمع زیادہ ہونے کے سبب ایسا کیا جائے تو کراہت نہیں رہے گی، اسی طرح اگر قدم محراب سے باہر ہوں تو کراہت نہیں رہے گی۔ (شامی: ۱/۴۷۷-۴۷۸)

(۱۳) اپنی پگڑی، ٹوپی یا رومال وغیرہ (جس کو اپنے اوپر ڈالے ہوئے ہو) پر سجدہ کرنا مکروہ ہے، یا پیشانی براہ راست زمین پر ٹیکے یا زمین پر بچھی ہوئی چیز پر۔ (حلبی کبیر جدید: ۳۵۱)

(۱۴) نماز پڑھنے کے دوران اگر کسی تحریر پر نظر پڑ گئی اور دل ہی دل میں اس کو پڑھ کر اس نے مفہوم سمجھ لیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن جان بوجھ کر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(شامی: ۱/۴۶۸-۴۶۹)

جن اعمال کے پیش آنے سے نماز توڑنا جائز ہے:

(۱) اگر نماز پڑھنے کے دوران سانپ یا بچھو آ جائے، اور نماز پڑھنے والے کو خوف ہو کہ اس کو اذیت دے دے گا، تو ان کو مارنا جائز ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں اس کی اجازت دی گئی ہے، اب اگر عمل قلیل ہی سے ان کو مار ڈالتا ہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی لیکن اگر عمل کثیر کرنا پڑے جس کا زیادہ امکان ہے تو صحیح قول کے مطابق نماز ٹوٹ جائے گی، لیکن اس طرح کے موقع پر اس عمل سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور اگر سانپ یا بچھو سے کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو ان کا مارنا مکروہ ہوگا۔ (شامی: ۱/۴۸۱-۴۸۲)

(۲) اگر جانور کے بھاگ جانے کا خوف ہو یا بکریوں پر بھیڑیا وغیرہ کے حملہ کا خوف ہو گیا ہو تب نماز توڑ دینا جائز ہے۔

(شامی: ۱/۴۸۴، نور الایضاح: ۹۳)

(۳) جب ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوئی ہو اور ابلنے لگے اور اندیشہ ہو کہ ایک درہم کے بقدر مال ضائع ہو جائے گا یا ایک درہم کے بقدر کوئی دوسرا سامان چوری ہو جانے یا ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو چاہے سامان اپنا ہو یا دوسرے کا تو اس کو بچانے کے لیے بھی نماز توڑ دینا جائز ہے۔ (شامی: ۱/۴۸۴، نور الایضاح: ۹۳)

ایک درہم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سامان کی قیمت ۳/ گرام ۶۲/ ملی گرام چاندی کے بقدر ہو۔ (امداد الاوزان: ۱۸)

(۴) اگر کوئی شخص نفل نماز پڑھ رہا ہو اور والدین میں سے کوئی اس کو پکارنے لگے جب کہ ان کو پتہ ہو کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز توڑتے ہوئے ان کو جواب دے سکتا ہے...... (باقی صفحہ نمبر ۱۶ پر)

مذہبِ اخلاق وانسانیت

مولانا فخر الحسن ندوی

اسلام مذہب اخلاق وانسانیت اور دین فطرت ورحمت ہے، اسلام دنیا میں اس وقت آیا جب کفر وشرک، ظلم وستم کی گھنگھور گھٹائیں چہار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھیں، لوگ اخلاق و انسانیت کی تمام حدیں پامال کر چکے تھے، بات بات پر جنگ وجدال اور قتل وقتال کا بازار گرم ہو جاتا تھا، انسانی خون بارش کے پانی سے بھی ارزاں تھا، رنگ ونسل اور علاقائی وطبقاتی عصبیت معاشرہ کے جسم میں سرطان کی طرح پھیلی ہوئی تھی، عورتوں کے ساتھ جبر و استحصال کی انتہا ہو چکی تھی، بچیوں کو زندہ درگور کر دینا ان کے یہاں باعث فخر وعزت تھا، غرض کہ وہ لوگ قساوت وسنگ دلی کی اس خوفناک حالت میں پہنچ چکے تھے کہ گویا ان کے سینوں میں دل نہیں بلکہ پتھر کی ایک سل یا اس سے بھی بدتر کوئی چیز تھی، قرآن کریم نے ان کی اس حالت کا نقشہ اس آیت کریمہ میں کھینچا ہے: ﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (البقرة: ٧٤) (یہ (دل) پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت)

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اسلام اپنی اخلاقی وانسانی جلوہ سامانیوں کے ساتھ آیا، اور اپنی جاں نواز تعلیمات واعلیٰ پیغامات سے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا، تمام انسانیت کو اخلاق کی اعلیٰ قدروں سے روشناس کرایا، اسلام میں اخلاق کی اہمیت کو اس آیت سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، جس میں دین اسلام کے پیغامبر حضرت محمد ﷺ کے مقام ومرتبہ کا ذکر ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم: ٤) (اور بلاشبہ آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں) خود رسول کریم ﷺ اپنی بعثت کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "انما بعثت لأتمم صالح الأخلاق" (مسند أحمد: ٩١٨٧) (میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) معلوم ہوا کہ جس مذہب کے رسول کی بعثت کا مقصد ہی سارے عالم کو اخلاق وانسانیت کی منزلوں تک پہنچانا ہو، تو اس کی تعلیمات بھی یقیناً انسانیت نواز ہوں گی، اسلام میں حسن اخلاق کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے، جس میں آپ ﷺ نے صاف طور پر ارشاد فرمایا: "أفاضلكم أحاسنكم أخلاقا" (المعجم الأوسط: ٤٠٠٥) (تم میں سب سے افضل وہ ہے جس کا اخلاق بہتر ہے) اسی طرح ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے آپسی معاملات میں نرمی کا پہلو اختیار کرنے کی طرف تلقین کرتے ہوئے فرمایا: "رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن رحم کرتا ہے، لوگو! زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا"، اہل ایمان کو حسن سلوک کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (القصص: ٧٧) (لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو جیسا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے) زندگی کے ہر موقع پر عدل وانصاف وحسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (النحل: ٩٠) (بلاشبہ اللہ انصاف اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے) عموماً لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے معاملہ میں خیانت سے کام لینے پر آپسی تعلقات خراب ہوتے ہیں، اس لیے فرمادیا گیا: ﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (المائدة: ٤٢) (اور اگر تم کوئی فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)

دین اسلام اخلاقیات کے باب میں "عدل وانصاف" اور "حسن سلوک" کو مقدم قرار دیتا ہے، کیونکہ اخلاقیات کے شعبہ میں ان چیزوں کی کلیدی حیثیت ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے متعلق ارشاد فرماتا ہے: ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (آل عمران: ١٨) (اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور اہل علم نے بھی، وہی انصاف کے ساتھ سب انتظام سنبھالے ہوئے ہے) شریعت اسلامیہ میں عدل وانصاف اور حسن سلوک کو مقدم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ چیزیں ہیں جو انسانی معاشرہ کو سرسبز وشاداب اور باغ وبہار بنا دیتی ہیں، جب کہ ظلم و

بربریت اور درندگی انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیتی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں عدل و انصاف کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے، عمومی معاملات کن بنیادوں پر ہونا چاہئیں، اس کے متعلق فرمایا گیا: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ (المائدۃ: ۲) (اور نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو) لیکن برائی اور شر کی بنیاد پر کسی قسم کی مدد و تعاون کے متعلق ممانعت بھی وارد ہوئی ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ: ۲) (اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد مت کرنا) پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے کی طرف زور دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: "خدا کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا، جس کے شر سے اس کا پڑوسی مامون و محفوظ نہ ہو"، یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حدیث شریف میں ایسی کوئی قید نہیں لگائی گئی کہ پڑوسی مسلم ہو یا غیر مسلم، بلکہ لفظ کو عام رکھا گیا ہے، جس سے اسلام کی انسانیت نواز تعلیمات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مذہب اسلام نے ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی ہے، مگر اس کے ساتھ گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرنے کا ایک زریں اصول بھی بتا دیا ہے، کیونکہ اگر شر کے ترقی دینے میں بھی مدد کی گئی تو ایک صالح انسانی معاشرہ ظلم و ستم کا نشانہ بن جائے گا، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں ان تمام باتوں کی طرف نشاندہی کر دی گئی ہے، جن سے شر کے دروازے بند ہوتے ہیں، خیر کو فروغ حاصل ہوتا ہے، اچھے کاموں میں تعاون کرنے کا مزاج بنتا ہے، برائی کے کاموں سے گھن پیدا ہوتی ہے، رسول کریم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن يستطع فبقلبه وذلك أضعف الايمان" (ابن ماجة: ٤١٣٣) "تم میں سے اگر کوئی کہیں برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے اس کو روک دے، اگر اتنی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان ہی سے روکنے کی کوشش کرے، اور اگر اتنی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو کم از کم دل سے برائی کو برا سمجھے، یہ ایمان کا سب سے آخری درجہ ہے"، بلاشبہ ایک صالح انسانی معاشرہ کی تشکیل میں یہ اسلام کی وہ اعلیٰ تعلیمات ہیں جن کی ادنی مثال بھی دیگر مذاہب میں نہیں مل سکتی، نہ ہی کوئی ترقی پسند انسان ان کا تصور کر سکتا ہے۔

بقیہ: مکروہات تنزیہیہ

......لیکن اگر ان کو معلوم نہیں ہے کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے تو جواب دینا ضروری ہوگا، اور اگر فرض نماز پڑھ رہا ہو تو جواب دینا جائز نہیں ہے الا یہ کہ پتہ چلے کہ وہ کسی مشکل میں ہیں۔ (شامی: ۱/۴۸۴)

جن امور سے نماز توڑنا واجب یا فرض ہوجاتا ہے:

۱- اگر نماز پڑھنے کے دوران چھوٹے یا بڑے استنجاء کا سخت تقاضہ ہو جائے، اس طرح کہ دل پوری طرح اسی میں لگ جائے تو نماز پڑھنے والے پر واجب ہے کہ نماز توڑ دے اور فارغ ہو کر پھر سے نماز پڑھے۔ (شامی: ۱/۴۸۴) اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ استنجاء کے سخت تقاضہ کی حالت میں نماز پڑھے یہاں تک کہ (فارغ ہو کر) ہلکا ہو جائے۔

۲- اگر کسی نابینا کے کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو جانے کا خوف ہو یا کسی کے ڈوب جانے یا آگ میں جل کر مر جانے کا اندیشہ ہو، یا کوئی سخت مصیبت میں پکار رہا ہو اور نماز پڑھنے والا ان کی جان بچانے پر قادر ہو تو اس پر لازم ہے کہ نماز توڑ دے اور ان کی جان بچائے۔ (شامی: ۱/۴۸۴)

۳- اگر کوئی دایہ نماز پڑھ رہی تھی، اسی حالت میں زچگی ہونے لگی اور اس کو اندیشہ ہے کہ اگر نماز جاری رکھی تو زچہ یا بچہ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی تو وہ نماز توڑ سکتی ہے، اور اگر ابھی نماز شروع نہیں کی تھی تو اس طرح کے خطرہ کے وقت نماز مؤخر کر سکتی ہے۔ (نور الایضاح: ۹۳)

ان مسائل پر قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ اگر مریض کی حالت سیریس ہو تو ڈاکٹر بھی نماز کو وقت سے مؤخر کر سکتا ہے، اور پڑھ رہا ہو تو نماز توڑ سکتا ہے، بشرطیکہ کوئی اس جیسا ڈاکٹر موجود نہ ہو۔ واللہ أعلم

سفر کے آداب

طلحہ نعمت ندوی

سفر حیات انسانی کا ایک جزو لاینفک ہے، دنیا میں خال خال ہی ایسے لوگ ملیں گے جنہیں اپنی پوری زندگی میں سفر کی ضرورت نہ پیش آتی ہو، جس طرح انسان کے ساتھ فطری طور پر دوسری ضرورتیں وابستہ ہیں، اسی طرح سفر بھی انسانی زندگی کا لازمہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں انسانوں کو ان کی دیگر ضروریات (اکل وشرب وغیرہ) کی نہ صرف پوری اجازت دی بلکہ اپنی نعمتوں سے بہرہ ور ہوکر اپنا شکر بجالانے کی تاکید فرمائی، وہیں کارخانہ قدرت کے عجائبات اور گذشتہ قوموں اور ہلاک کردہ امتوں کے آثار کے مشاہدہ اور انہیں دیکھ کر ان کے انجام کار سے عبرت حاصل کرنے پر بھی بار بار آمادہ کیا ہے، اور زمین میں گھوم گھوم کر اور بحری راستہ کے سفر کے ذریعہ خلاق عالم کی صنعت وکاری گری کے نمونوں کے ملاحظہ کرنے کا بھی حکم دیا ہے، اسی کے ساتھ اسلام نے جس طرح دیگر انسانی ضرورتوں کو برتنے کا طریقہ بتایا اور اس کے صالح اور رہنما اصول وآداب بتائے، اسی طرح انسانی ضرورت کے طریقوں اور اصول وآداب سے بھی چشم پوشی نہیں کی اور اسوۂ نبوی و ارشادات نبوی کے ذریعہ اس کے طریقے بھی بیان فرمائے۔

سفر انسان کو ضرورت کے مطابق ہی کرنا چاہیے، کسی ناگزیر ضرورت (علمی یا دینی) کے بغیر محض تفریح طبع کے لیے سفر کو شریعت میں مستحسن نہیں سمجھا گیا ہے یا پھر احکام قرآنی کی تعمیل میں عبرت و بصیرت کے لیے سفر کیا جاسکتا ہے، چنانچہ علمائے اسلام وشارحین شریعت نے بہت تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی ہے، اسی طرح مقصد سفر کی تکمیل کے بعد حسب امکان واپسی کی کوشش بھی اسوۂ رسول کی روشنی میں ہم متبعین اسلام کے لیے ضروری ہے، چنانچہ غزوات وسرایا کے واقعات میں ہمیں اس کی پوری تفصیل ملتی ہے کہ آپ مقصد کی تکمیل کے بعد کسی ضرورت یا جنگی مصلحت کے پیش نظر ہی وہاں مقیم رہے، اس کے بعد وہاں سے رخصت ہوگئے، حجۃ الوداع کے موقع پر ارکان حج کی تکمیل کے بعد آپ نے ۱۴/ ذی الحجہ کو مدینہ کے لیے رخت سفر باندھ لیا، جب کہ آپ کے لیے وہاں مزید قیام کے اختیار وسہولت کے ساتھ ساتھ آپ کی مکہ سے یہ دائمی جدائی تھی، جیسا کہ آپ نے اپنے خطبات میں اس کی طرف اشارے بھی فرمادیئے تھے، اس صورت میں مکہ میں مزید قیام عین قرین مصلحت تھا، لیکن آپ نے ایام حج سے زیادہ قیام نہیں فرمایا، اس سلسلہ میں آپ کا ارشاد گرامی امام بخاری کی روایت کے مطابق یہ ہے: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں کھانے پینے اور سونے سے باز رکھتا ہے، لہٰذا جب تمہارا مقصد سفر پورا ہوجائے تو جلد از جلد اپنے گھر والوں کے پاس لوٹنے کی کوشش کرو) (بخاری)

اسی طرح آپ علیہ السلام کا یہ بھی معمول تھا کہ عین رات کے وقت گھر تشریف نہیں لاتے بلکہ صبح یا شام میں پہنچتے، حضرت انسؓ کی روایت ہے: (آپ صبح یا شام ہی کو اپنے گھر میں داخل ہوتے) آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی اسی کی ہدایت فرمائی تھی، حضرت جابرؓ کی روایت ہے:"آپ نے رات کو اچانک گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔" (بخاری)

ان روایات کی رو سے گھر میں جانے سے قبل (خصوصاً رات کو) اطلاع دے دینی چاہیے، کتب احادیث کی روشنی میں اس کی ہدایت خاص طور سے شادی شدہ لوگوں کو کی گئی ہے تاکہ خاتون خانہ کے لیے باعث دشواری نہ ہو۔

آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ سفر سے واپسی پر دعا پڑھتے اور بخیر و رعافیت منزل مقصود تک رسائی حاصل کرلینے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے:"جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ یا حج سے واپس ہوئے تو راستہ میں جہاں بلندی آتی، تین بار اللہ اکبر کہتے پھر فرماتے: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹ رہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے اور اپنے رب کو رکوع وسجدہ کرتے ہوئے اور اسی کی تعریف وحمد بیان کرتے ہوئے، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔"

غیبت کا مرض

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ، قَالُوْا: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ، قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا یَكْرَهُ، قِیْلَ أَفَرَأَیْتَإِنْ كَانَ فِیْ أَخِی مَا أَقُوْلُ، قَالَ: إِنْ كَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ اغْتَبْتَهٗ وَإِنْ لَمْ یَكُنْ فِیْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ. (مسلم: ٦٧٥٨)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کا ایسا تذکرہ جو اس کو ناپسند ہو، دریافت کیا گیا: اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کے اندر وہ چیز موجود ہے تب ہی تو تم نے غیبت کی اور اگر وہ چیز موجود نہیں ہے تو تم نے اس پر تہمت لگائی۔

فائدہ:- دین اسلام میں ان تمام باتوں سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے جو معاشرہ میں اختلاف و انتشار کا سبب بنیں، آپسی رنجشوں کو فروغ دیں، غیبت بھی ایک ایسا عمل ہے، جس کے نتیجہ میں معاشرہ میں آپسی خلیجوں کے بڑھنے کا قوی امکان رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے غیبت کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے، اس کی کدورت اور گھناؤنے پن کو اہل ایمان کے دلوں میں راسخ کرنے کے لیے اس عمل کو ایسی چیز سے تشبیہ دی ہے کہ ایک صالح انسان کی طبیعت اس سے ہمیشہ کے لیے اچاٹ ہو جائے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضاً أَیُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ یَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِیْهِ مَیْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ (الحجرات: ۱۲) (اور نہ ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم گھن کرو گے ہی) مندرجہ بالا حدیث کے مضمون سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی انسان کا کسی کے متعلق کوئی ایسی ناپسندیدہ بات بیان کرنا جو اس میں موجود ہو غیبت ہے، ورنہ عموماً لوگوں کے ذہن و خیال میں یہ بات رہتی ہے کہ کسی شخص میں موجود برائی کو بیان کرنا غیبت نہیں، بلکہ حقیقت بیانی ہے، یہ انسان کی ایک بڑی کمزوری ہے کہ وہ کسی بھی دوسرے شخص کی اچھائیوں پر نگاہ نہ کرتے ہوئے اس کی خامیوں کی ٹوہ میں رہتا ہے، ہمہ وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کسی بھی طرح اپنے سامنے والے کو زچ کر دیا جائے، جب کہ یہ عمل شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے، حدیث شریف میں کسی کے اوپر بہتان تراشی یا کسی کی غیبت کرنے والے کے عمل کو زنا سے زیادہ سنگین جرم قرار دیا گیا ہے، کیونکہ زنا کے بعد انسان اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت والی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کو معاف کر دے، لیکن غیبت ایک ایسا عمل ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اس میں معافی اسی وقت ہوگی جب وہ شخص معاف کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے، غیبت کے سنگین جرم ہونے کو اس بات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس عمل میں وہ شخص بھی عند اللہ قابل گرفت ہے جو غیبت کی مجلس میں شریک ہو اور غیبت سنی ہو، البتہ اس سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو اس عمل پر نکیر کرے، اپنے بھائی کا دفاع کرے، دل سے اس عمل کو برا جانے۔

غیبت سے متعلق اس قدر سخت تعلیمات کے باوجود آج خاصا دین دار طبقہ بھی اس گناہ کبیرہ میں ملوث نظر آتا ہے، اس پر مزید طرفہ تماشہ یہ کہ اس جرم کے ارتکاب کی کثرت کے سبب اس کی سنگینی کا احساس بھی ختم ہوتا جا رہا ہے، عموماً یہ کہہ کر دل کو تسلی دے دی جاتی ہے کہ "کسی کی خامی بیان کرنا کوئی بری بات نہیں"، جب کہ حدیث میں اسی بات کو غیبت سے تعبیر کیا گیا ہے، البتہ کسی کی خامی وہاں بیان کی جا سکتی ہے، جہاں دینی و شرعی مصلحت کا تقاضہ ہو، یعنی اگر اس کی خامی لوگوں کے سامنے بیان نہ کی جائے تو اس بات کا خطرہ ہو کہ لوگوں کو اس سے دھوکہ ہوگا، مگر خیال رہے کہ اگر اس میں بھی انسان کی اپنی "انا" یا خود غرضی شامل ہو جائے تو یہ عمل بھی شرعی مزاج کے منافی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس متعفن گناہ سے حد درجہ گریز کی کوشش کی جائے، ایسی مجلسوں میں شرکت نہ کی جائے جہاں غیبتیں ہوں، اگر بے خیالی میں کسی کی غیبت ہو گئی ہو تو اس سے معافی مانگی جائے، اور اگر اس میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کی جائے، یہی شریعت اسلامیہ کا تقاضہ ہے۔

اسلاموفوبیا
Islamophobia

محمد نفیس خاں ندوی

کسی طاقتور چیز سے خوف محسوس کرنا انسان کی فطری کمزوری ہے، تاہم یہ کمزوری نہ قابل سرزنش ہے اور نہ باعث تشویش، لیکن جب یہ خوف حد سے بڑھ جائے اور اعصاب پر اثر انگیز ہوجائے اور پھر اس طاری خوف کی کوئی منطق بھی نہ ہو تو پھر یہ کیفیت ’’فوبیا‘‘ کہلاتی ہے۔ مغربی مفکرین اسلام کو ایک انتہائی طاقتور، اثر انگیز اور انقلاب آفریں مذہب تسلیم کرتے ہیں، اسی لیے وہ اسلام کے بڑھتے پھیلاؤ کو لے کر شدید ذہنی خوف وہراس میں مبتلا ہیں، اور خوف کی اسی کیفیت کو ’’اسلاموفوبیا‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یورپ وامریکہ نے ہمیشہ سے مسلمانوں کو اپنا سیاسی، دینی اور ثقافتی حریف سمجھا ہے، کیونکہ صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انھیں براہ راست چیلنج کرتا ہے، اور مغرب کے مقابل یہی وہ مخصوص تہذیب ہے جس کے اندر پوری دنیا کو اپنی آغوش میں لینے کی طاقت وصلاحیت ہے، یہی وجہ ہے یورپ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے مغربی مفکرین ہمیشہ سے فکرمند رہے ہیں، اور انھوں نے اس کی وسعت واثر انگیزی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش بھی کی لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے خلاف جس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا اسلام کا دائرہ اتنا ہی پھیلتا گیا، لوگوں نے اس میں دلچسپی لی، اسے موضوع بحث بنایا، اس کا مطالعہ کیا اور پھر اسلام سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔

مغرب اور اسلام کے تصادم کی تاریخ بہت پرانی ہے، تاہم اس تصادم میں صلیبی جنگوں کے بعد سے شدت پیدا ہوئی، جو کلیسا اور سیاسی حکمرانوں کی طرف سے مسلمانوں پر تھوپی گئی تھی، اور ان جنگوں کا مقصد سیاسی ومعاشی مفادات کا حصول تھا جس میں انھوں نے اپنے عوام کو بھی شریک کیا، اور اسے مذہبی رنگ میں یہاں تک رنگ دیا کہ اس میں شریک ہونے والے کی مغفرت کا اعلان کردیا گیا، لیکن مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی، اخلاقی قوت اور عسکری ہوش مندی کے باعث یورپ کو مسلسل شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

صلیبی جنگوں نے پوری عیسائی دنیا پر خوف وہراس طاری کردیا، مرعوبیت کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے عربی زبان اور عربی بود وباش کو پوری طرح اختیار کرلیا تھا، لیکن مغربی مفکرین اور قائدین نے ان جنگوں میں اپنی شکست کو بہت ہی سنجیدگی سے لیا، شکست کی وجوہات اور مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب کا جائزہ لیا، اور پھر اپنی جنگی حکمت عملی کو پوری طرح بدل کر اپنی ساری توانائی مسلمانوں کے خلاف ایک نئے محاذ کے قیام میں صرف کردی جس کا محور علمی وفکری اور سیاسی ومعاشی میدان تھا، اور جس کا مقصد مسلم حکومتوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کرنا تھا جس کے لیے انھوں نے ہر طرح کے حربہ کو روا رکھا، یہ گویا کہ یورپ کی ترقی کا نقطۂ آغاز تھا۔

مسلم حکومتیں یورپی سازشوں کا پوری طرح شکار ہوئیں، اور نظام مملکت کے استحکام کے بجائے غیر ضروری مسائل میں الجھ کر نزاع باہمی میں گرفتار ہوگئیں، نتیجتاً خانہ جنگی کی نوبت آپہنچی، پھر رفتہ رفتہ ان حکومتوں کا اتحاد پارہ پارہ ہوا اور بالآخر ان کا چراغ ہی گل ہوگیا۔

سولہویں صدی کے بعد یورپ نے اپنے سیاسی ومعاشی ترقی کے مراحل طے کیے، اور مغربی ممالک یعنی ہسپانیہ، برطانیہ، فرانس، پرتگال اور روس وامریکہ وغیرہ نے مسلم ممالک پر قبضہ کرکے وہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنالیا، قومی وسائل کو جی بھر کر لوٹا، مخالفت کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتاردیا، اور بربریت کی ایسی کارروائیاں کیں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، یورپی سامراج کی یہ تاریخ پوری انسانیت پر ایک بدنما داغ ہے۔

بیسویں صدی میں مغربی استعمار کے مظالم سے تنگ آکر عوام نے بغاوت شروع کردی، خصوصاً علماء کرام نے جہاد کیا اور مسلمانوں کے تہذیب وتمدن کو محفوظ رکھا، انقلابات کی ان آندھیوں کے سامنے مغربی طاقتوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کو مسلم ممالک سے نکلنا پڑا، لیکن جاتے جاتے اپنے پیچھے وہ اپنے کٹھ پتلی حکمراں طبقے کو بھی چھوڑ گئے، یہ حکمراں ملک کی دولت اور وسائل پر قابض ہوگئے، اور آزادی کے ثمرات سے عوام کو محروم کردیا گیا، چنانچہ عام لوگ تعلیم وتربیت حاصل کرکے مغربی ملکوں کا رخ کرنے لگے جہاں مختلف کاموں کی خاطر افرادی قوت درکار تھی، اور اس طرح بیسویں صدی میں لاکھوں مسلمان فرانس، برطانیہ، امریکہ، جرمنی، اٹلی، ہالینڈ، اسپین، آسٹریا، ڈنمارک اور ناروے وغیرہ پہنچے اور نوکریاں کرتے کرتے وہیں کی سکونت اختیار کرلی، ان لاکھوں مسلمانوں میں ایک بہت بڑی تعداد ان کی بھی تھی جو مغربی تہذیب و ثقافت میں گھرے ہونے کے باجود اسلامی ثقافت واسلامی اقدار سے پوری طرح وابستہ اور اپنے ملی تشخص پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ دعوت

وتبلیغ سے اسلام کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوا، رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوتا گیا، تجارت اور ملازمتوں میں بھی ان کی نمائندگی محسوس کی جانے لگی، پھلتے پھولتے مسلمانوں کو برداشت کرنا اہل مغرب کے لیے آسان بات نہ تھی، چنانچہ مسلمانوں کی مخالفت کا آغاز شروع ہوا، اور بعض اہم ممالک جیسے برطانیہ، جرمنی اور فرانس وغیرہ میں مغربی رہنما یہ کہنے لگے کہ مسلمان مہاجر قوم ہیں اور یہ لوگ ہمارے نوجوانوں سے ملازمتیں چھین کر انھیں بے روزگاری کے دلدل میں دھکیل رہے ہیں لہٰذا ملک میں ان کی آمد پر پابندی لگائی جائے۔ بعض مغربی رہنماؤں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ یہ مسلمان تعصب پسند ہیں اور ملک کے حق میں وفادار نہیں ہیں کیونکہ یہ مغربی اقدار وروایات کو اختیار کرنے کے بجائے اپنے مذہبی رسم ورواج کے پابند ہیں، اور معاشرہ میں اپنی الگ حیثیت رکھتے ہیں جو مغربی معاشرہ کے بالکل خلاف ہے۔

مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر مغربی ممالک میں مسلمانوں کو شک واستہزاء کی نظر سے دیکھا جانے لگا، ان کی حقارت کی جانے لگی، ان کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا جانے لگا اور مختلف شعبوں میں وہ تعصب کا نشانہ بننے لگے تاہم سویت یونین کے زوال تک مسلم دشمنی میں شدت نہیں پیدا ہوئی تھی کیونکہ اس وقت تک پورا یورپ کمیونزم سے نبرد آزما تھا، اور اس کی ساری توانائی کمیونزم کو پسپا کرنے میں صرف ہو رہی تھی۔

سویت یونین کے خاتمہ کے بعد یورپ نے مغربی اقوام میں اسلامی رسوخ اور اس کے بڑھتے ہوئے اثر کو اپنے مذہبی وسیاسی چودھراہٹ کے لیے خطرہ محسوس کیا، چنانچہ مختلف محاذوں پر انھوں نے مسلمانون کے خلاف مورچے سنبھالنے شروع کیے، میڈیا ولٹریچر کے ذریعہ بھی مسلمانوں کو حراساں کیا جانے لگا، پر تشدد واقعات بھی رونما ہونے لگے، اور پھر نائن الیون کا ڈرامہ اسٹیج کیا گیا جس کے بعد مسلم مخالفت میں زبردست شدت پیدا ہوئی، اور اس شدت میں خوف ودہشت کا عنصر بھی شامل کردیا گیا جس کے نتیجہ میں مغربی اقوام ''اسلاموفوبیا'' کے مرض میں گرفتار ہوتی چلی گئی۔

نائن الیون کے ڈرامہ کے بعد مذہبی بنیادوں پر مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا گیا، حجاب پر پابندی کی آوازیں بلند کی گئیں، قرآن کے نسخے جلائے گئے، پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی گئیں اور پھر پُر تشدد واقعات کا ایک سلسلہ چل پڑا جس میں بڑی تعداد میں بے گناہ مارے گئے، عزتیں تاراج کی گئیں، لوگ زندہ جلائے گئے، دوکان ومکان لوٹے گئے، اور پوری دنیا کے سامنے اسلام کو ایک دہشت پسند مذہب کے طور پر پیش کردیا گیا، اور یہ ساری حیوانیت صرف اس لیے برتی گئی کہ یورپ وامریکہ میں اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم رک جائیں اور لوگ اسے دیش نکالا کردیں لیکن......

لیکن ان تمام پر پیگنڈوں اور پر تشدد کارروائیوں کے بعد اسلام ایک عالمی موضوع بن گیا، اور خاص کر یورپ وامریکہ کے عوام کی توجہ ودلچسپی کا مرکز بن گیا، لوگوں میں تجسس پیدا ہوا، کچھ نے حقیقت جاننے کے لیے تو کچھ نے خامیاں ڈھونڈنے کے لیے اس کا مطالعہ شروع کیا، انٹرنیٹ کی دنیا میں لفظ ''محمد'' اور ''اسلام'' کو سب سے زیادہ سرچ کیا جانے لگا، قرآن کریم کے رکارڈ توڑ نسخے فروخت ہوئے، یورپ وامریکہ کے بازاروں میں اسلامی کتابوں کی مانگ بڑھتی گئی، یونیورسٹیوں میں اسلام پر پی ایچ ڈی کرنے والوں کا سلسلہ چل پڑا، سیکڑوں اداروں نے اسلامک اسٹڈیز کے شعبے قائم کیے، اور پھر اسی مطالعہ وتحقیق نے ان کے ذہنوں کو مہمیز کیا، اسلام کی حقانیت ومسیحیت نے ان کے دماغوں کو روشن کردیا، میڈیا کے پروپیگنڈوں کی قلعی کھل گئی، اور ایک بہت بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی، ان میں مغرب کے ذہین اور اعلی دماغ بھی شامل تھے، مختلف شعبوں کے ماہرین بھی تھے، اور مختلف میدانوں کی اہم شخصیات بھی تھیں۔

گزشتہ چند سالوں جن معروف شخصیات نے اسلام کو اختیار کیا ان میں بطور ذکر چند نام یہ ہیں: عرب ٹیلنٹ میں دوسرا مقام حاصل کرنے والی تیئس سالہ امریکی پاپ گلوکارہ جنیفر گراوٹ، فلپائن کے شہرہ آفاق گلوکار فریڈی ایگونکر، تھائی لینڈ میں جرمنی کی سفیر یاسمین، فتنہ فلم کے پروڈیسر ارناؤڈ فانڈ ورن، باکسر محمد علی، ایوان ریڈلی مریم، ماہر تعلیم پروفیسر کارل مارکس، بارطانوی ماڈل کارلے والس، عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر ولیمز، مبلغ یورپ محمد یوسف، معروف پاپ سنگر مائیکل جیکسن کے ایک بھائی وبہن جیسے سیکڑوں معروف افراد ہیں جنھوں نے مختلف ادوار میں اسلام کی ابدی صداقت اور حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے، ان کے علاوہ پاپ سنگر مائیکل جیکسن اور شہزادی ڈیانا کے بارے میں بھی خبریں تھیں کہ انھوں نے بھی اسلام کو قبول کرلیا ہے۔

تمام سازشوں اور پر پیگنڈوں کے باوجود آج اسلام ہی اہل یورپ میں سب سے مقبول اور تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے، اور اسلاموفوبیا ایک عارضی مرض ہے جس کا علاج خود مذہب اسلام ہی ہے۔

قرآن مجید کا ادب

مولانا سید محمد الحسنیؒ

﴿وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف: ۲۰۴)

(اور جب پڑھا جائے قرآن شریف، تو سنو اس کو خاموشی کے ساتھ کان لگا کر تا کہ تم پر رحم کیا جائے)

قرآن مجید ہم سے مخاطب ہے اور اس کی سب سے پہلی شرط اور مطالبہ ہم سے یہ ہے کہ ہم نہایت ادب سے کان لگا کر اور خاموشی کے ساتھ اس کو سنیں اور دل نشیں کر لیں، اس کا انعام ہم کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں جہاں میں اپنی رحمت کاملہ سے سرفراز و سرخرو فرمائے گا۔

یہاں ہم سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ ہم اس کے معنی اور مطلب پر ضرور عبور حاصل کر لیں، البتہ یہ ضرور کہا گیا ہے کہ ادب واحترام، سکون وخاموشی اور دلجمعی ویکسوئی کے ساتھ اس کو سنیں یا پڑھیں، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ تلاوت قرآن کی ظاہری شرط پاکی اور باطنی شرط ادب ہے، اگر ان دونوں چیزوں پر عمل کرتے ہوئے ہم کتاب الٰہی اپنے ہاتھ میں لیں گے یا کسی قاری سے سنیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا، اور اس کی رحمت کے نزول کی سب سے بڑی پہچان یہ ہوگی کہ قرآن مجید کے وہ معانی اور مطالب، مضامین اور نکتے اور حقائق وعلوم جو ہماری سمجھ سے باہر اور ہماری لیاقت سے بہت بعید تھے، محض خدا کی توفیق سے خود بخود ہماری سمجھ میں آنے لگیں گے، لیکن یہ بات رفتہ رفتہ پیدا ہوگی، اور طہارت وادب یہ دونوں چیزیں جتنی مکمل ہوں گی اسی قدر مضامین وحقائق سے پردہ اٹھتا جائے گا، جو مادی گندگی، دنیاوی مشغولیت، ذہنی وقلبی انتشار، شیطانی وسوسوں اور خواہشات نفسانی کی وجہ سے ہماری بصیرت پر اب تک پڑا ہوا تھا، وہ کیفیت جس کو حدیث میں سینے کے وسوسے اور معاملات میں انتشار سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، ان شاء اللہ زائل ہو جائے گی، یہ قرآن پاک کا وہ پہلا تحفہ اور اس کا شیریں ولذیذ ثمرہ ہے، جو ایک مومن کو طہارت وادب کے بعد خدا کی طرف سے ملتا ہے۔

(قرآن آپ سے مخاطب ہے: ۵۰)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 08 — MAY 2016 — Issue: 05

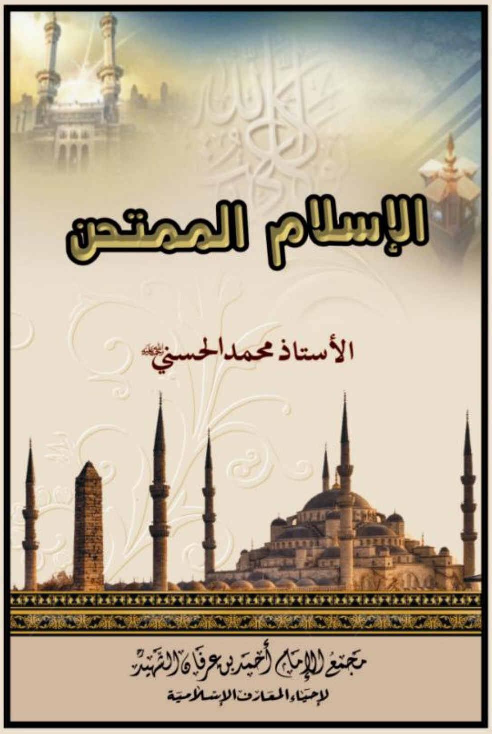

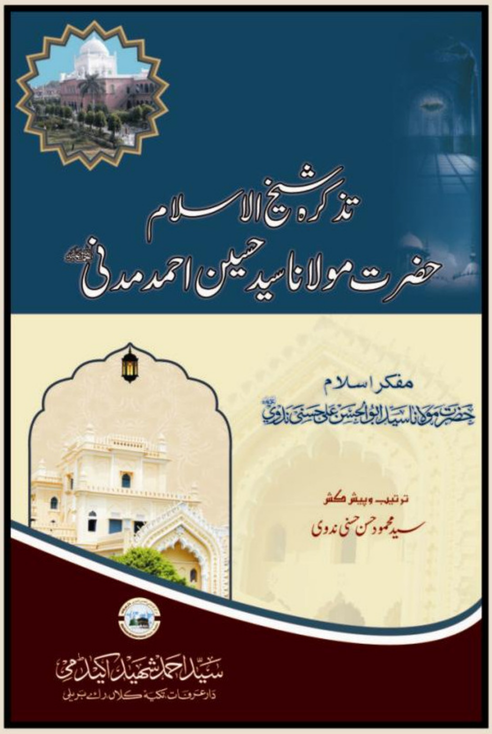

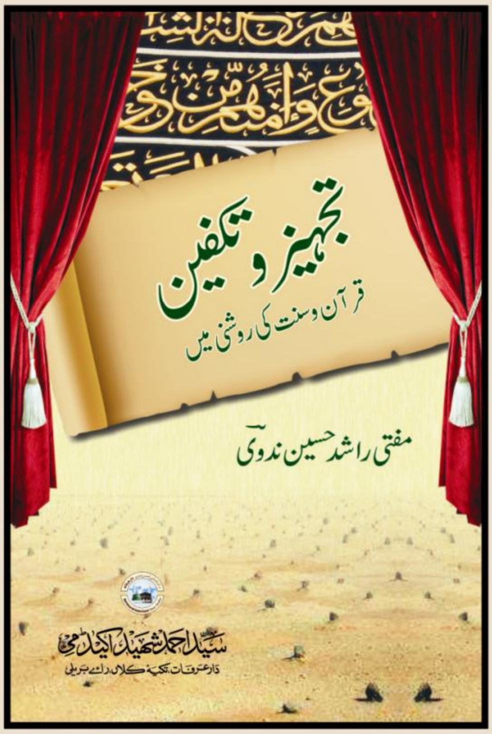

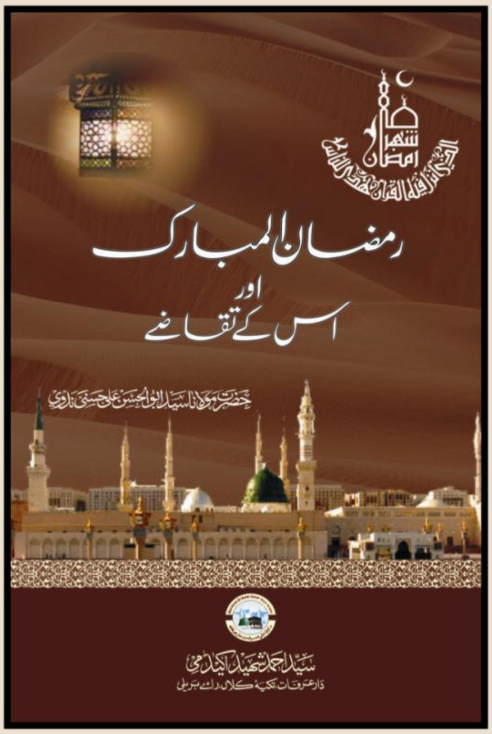

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)